پندرہ روزہ

الشریعۃ

گوجرانوالہ

الشریعۃ اکادمی گوجرانوالہ کا ترجمان

شمارہ ۱۵ / ۱۶	یکم / ۱۶ ستمبر ۲۰۰۰	جلد ۱۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

رئیس التحریر

ابو عمار زاہد الراشدی

مدیر

حافظ محمد عمار خان ناصر

مدیر منتظم

عامر خان راشدی

زر مبادلہ

سالانہ ایک سو روپے

فی پرچہ پانچ روپے

بیرونی ممالک سے

دس امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کے لیے

مرکزی جامع مسجد

پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ

فون و فیکس

0431-219603

ای میل

alsharia@hotmail.com

ویب ایڈریس

http://www.ummah.net/al-sharia

نرخنامہ اشتہارات

آخری صفحہ — دو ہزار روپے

اندرونی صفحہ ٹائیٹل — پندرہ سو روپے

اندرونی صفحہ عام — بارہ سو روپے

فہرست مضامین

کلمہ حق	رئیس التحریر	۲
اسوہ نبویؐ کی جامعیت	شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر	۸
مسجد کا احترام اور آداب	حضرت صوفی عبد الحمید سواتی	۹
سیکولرازم، عالم اسلام اور پاکستان	بریگیڈیر شمس الحق قاضی	۱۰
دیرپا ترقی، فطرت کے ساتھ ساتھ	شہزادہ چارلس	۱۳
پانی کا متوقع عالمی بحران	منو بھائی	۱۸
عالمی منظر		۲۰
تعارف کتب	رئیس التحریر	۲۳

مسعود اختر پرنٹرز میکلوڈ روڈ لاہور میں چھپا اور حافظ محمد عبد المتین خان زاہد نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ سے شائع کیا

کلمہ حق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی نظام تعلیم میں اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے ۳ اگست ۲۰۰۰ء کو "دینی مدارس، درپیش چیلنجز" کے عنوان سے ایک "مجلس مذاکرہ" کا اہتمام کیا جس میں ملک کے منتخب ارباب علم و دانش نے شرکت کی اور دینی مدارس کے حوالہ سے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ مجلس مذاکرہ کی تین نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست کی صدارت اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر ایس ایم زمان، دوسری نشست کی صدارت قومی اسمبلی کے سابق رکن مولانا گوہر رحمان اور تیسری نشست کی صدارت نیشنل سیکیورٹی کونسل کے رکن ڈاکٹر محمود احمد غازی نے کی۔ مجلس مذاکرہ کی کاروائی مجموعی طور پر تقریباً سات گھنٹے جاری رہی اور اس میں مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کرنے والوں میں پروفیسر خورشید احمد، مولانا عبد المالک خان، ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، پروفیسر افتخار احمد بلخی، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، مولانا محمد صدیق ہزاروی، مولانا محمد حنیف جالندھری، سید ریاض حسین نقوی، جناب خالد رحمٰن، ڈاکٹر ممتاز احمد اور مولانا سید معروف شاہ شیرازی بطور خاص قابل ذکر ہیں جبکہ ڈاکٹر خالد علوی اور پروفیسر یاسین ظفر صاحب کے مضامین پڑھ کر سنائے گئے اور دیگر شرکاء میں ڈربن یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے شعبہ اسلامیات کے سابق سربراہ پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی نمایاں تھے جو تحریک پاکستان کے عظیم راہ نما حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں۔ مجلس مذاکرہ میں راقم الحروف کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی اور راقم الحروف نے "دینی نظام تعلیم ! اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی" کے عنوان سے اپنی گزارشات تحریری صورت میں پیش کیں جو ان گزارشات کے ساتھ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ان معروضات کو کم و بیش سب شرکاء نے پسند کیا اور پروفیسر خورشید احمد صاحب نے اعلان کیا کہ انہی گزارشات کو "مجلس مذاکرہ" کی مجموعی سفارشات کی حیثیت دی جا رہی ہے۔

مجلس مذاکرہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے مقررین نے جن خیالات کا اظہار کیا، ان میں معاشرہ میں دینی حمیت کو باقی رکھنے اور اسلامی علوم و روایات کے تحفظ میں دینی مدارس کے کردار کا اعتراف نمایاں تھا اور دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے بھی سب حضرات کے جذبات یکساں تھے البتہ اس کے ساتھ آزادانہ کردار اور خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے دینی مدارس کے نظام و نصاب میں دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اصلاح و ترمیم کی ضرورت کی طرف اکثر حضرات نے توجہ دلائی اور دینی مدارس کے وفاقوں پر زور دیا کہ وہ اس ضرورت کا احساس کریں اور دینی مدارس کے معاشرتی کردار کو زیادہ موثر بنانے کے لیے بہی خواہ اور مخلص حلقوں کی طرف سے پیش کی جانے والی سفارشات و تجاویز کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیں۔

بعض ارباب دانش نے اس نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ ملک کے نظام کو چلانے اور صالح رجال کار فراہم کرنے کے لیے دینی مدارس پر جو زور دیا جا رہا ہے اس کی اصل ذمہ داری تو ریاستی نظام تعلیم پر عائد ہوتی ہے جبکہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود ریاستی نظام تعلیم میں کوئی مقصدی تبدیل سامنے نہیں آئی اور ملک کے ریاستی نظام تعلیم کے ارباب حل و عقد سرے سے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہے بلکہ اگر ملک کے مروجہ سرکاری نظام تعلیم میں اسلامی مقاصد اور ضروریات کو شامل کرنے کی طرف کسی جانب سے توجہ دلائی جاتی ہے تو اسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب ڈاکٹر ایس ایم زمان کا یہ انکشاف بطور خاص قابل توجہ ہے کہ انہوں نے کچھ عرصہ قبل لاء گریجویٹس کے لیے ایل ایل بی کے نصاب میں اسلامی قوانین کے اضافہ اور نصاب کا دورانیہ دو سال کی بجائے تین سال کر دینے کی تجویز پیش کی مگر ان سفارشات کا جائزہ لینے والی کمیٹی نے جس میں متعدد لاء کالجز کے پرنسپل حضرات بھی شامل تھے کورس کا دورانیہ دو سال سے تین سال کرنے کی تجویز تو منظور کر لی مگر اسلامی قوانین کے جس نصاب کو اس میں شامل کرنے کی سفارش کی گئی تھی اس کا بمشکل پانچ فی صد حصہ کورس میں شامل کرنے پر رضامندی ظاہر کی گئی، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ملک کے مروجہ نظام تعلیم کو اسلامی مقاصد و ضروریات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اس نظام تعلیم کے کار پردازان کی دل چسپی کا عالم کیا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مولانا گوہر رحمان نے زیادہ زور دے کر یہ بات کہی کہ دینی مدارس کے نصاب میں ضروری اصلاحات سے ہمیں انکار نہیں اور ہم بتدریج ایسا کر بھی رہے ہیں لیکن اس سے بات نہیں بنے گی اور ملک کے سیاسی، انتظامی، عدالتی اور عسکری شعبوں کو دینی لحاظ سے تربیت یافتہ افراد کار مہیا کرنے کا مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے ملک کے ریاستی نظام تعلیم میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور سرکاری نصاب تعلیم کو مکمل طور پر تبدیل کر کے اسے قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے

کیونکہ یہ ذمہ داری بنیادی طور پر اسی نظام کی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس نظام میں تبدیلی کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دلا رہا اور دینی مدارس کے نظام و نصاب میں تبدیلی کے لیے چاروں طرف سے شور مچایا جا رہا ہے، بعض مقررین نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ دینی مدارس کے طلبہ اور عصری کالجز کے طلبہ میں اجنبیت کو دور کرنے کے لیے سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اس نوعیت کے پروگراموں کا اہتمام ہونا چاہیے کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ، عصری کالجوں میں جا کر جدید علوم کی تعلیم حاصل کر سکیں اور کالجوں کے فاضل نوجوانوں کو دینی مدارس میں جا کر درس نظامی کا کوئی مختصر کورس کرنے کی سہولت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ طلبہ کے وفود کے باہمی تبادلہ، تعلیمی اداروں کے دوروں اور مشترکہ مجالس کے اہتمام کے ساتھ بھی اس سلسلہ میں موثر پیش رفت ہو سکتی ہے۔ مجلس مذاکرہ میں دینی مدارس کے دائرہ میں وسعت اور پھیلاؤ کا بھی ذکر کیا گیا کہ مختلف اطراف سے مخالفت کے باوجود دینی مدارس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور طلبہ و طالبات کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ایک مقرر نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ریاستی نظام تعلیم اپنے مقاصد کے حوالہ سے ناکام ہو چکا ہے کیونکہ لاکھوں ڈگری یافتہ افراد بے روزگاری کا شکار ہیں اس لیے اب نوجوان ادھر سے مایوس ہو کر دینی تعلیم کی طرف آرہے ہیں تاکہ اگر دنیا کا فائدہ نہ ہو تو کم از کم دین تو ہاتھ میں رہے، انہوں نے کہا کہ خود ان کی زیر نگرانی ایک ہائی سکول سے گزشتہ سال بیس طالبات نے میٹرک پاس کیا جن میں سے صرف پانچ طالبات کالج میں گئی ہیں جبکہ باقی پندرہ طالبات نے مزید تعلیم کے لیے دینی مدارس کو ترجیح دی ہے۔

مجلس مذاکرہ میں پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد کے بارے میں ایک سروے رپورٹ بھی پیش کی گئی جس میں بتایا گیا کہ وفاقی وزارت تعلیم کی سروے مہم کے نتیجہ میں جو معلومات سامنے آئی ہیں ان کے مطابق ملک میں دینی مدارس کی تعداد اس وقت ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ہے جن میں مجموعی طور پر ساڑھے دس لاکھ کے قریب طلبہ اور طالبات قرآن و سنت، فقہ اسلامی اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان مدارس میں اساتذہ کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ ہے جبکہ دینی تعلیم حاصل کرنے والی طالبات کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور بیرونی ممالک کے اٹھائیس ہزار کے قریب طلبہ ان مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ سروے رپورٹ کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ محکمہ تعلیم کی طرف سے ان مدارس کی امداد کے لیے جو رقم مختص کی جاتی ہے اس کا آغاز ایک لاکھ روپے سالانہ سے ہوا تھا اور اب یہ پندرہ لاکھ روپے سالانہ تک جا پہنچی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ بھی بتایا گیا کہ جس دور میں سید فخر امام صاحب وزیر تعلیم تھے دینی مدارس کی امداد کے لیے محکمہ تعلیم کی طرف سے دس لاکھ روپے کی منظوری دی گئی اور وزارت کے افسران کے ایک اجلاس میں وفاقی وزیر تعلیم کی طرف سے افسران پر زور دیا گیا کہ رقم کی تقسیم میں مدارس کے معیار اور کوالٹی کا لحاظ رکھا جائے۔ اس پر اجلاس میں موجود وزارت تعلیم کے ایک افسر نے وزیر تعلیم موصوف سے گزارش کی کہ جناب والا! اس وقت دینی مدارس میں طلبہ کی جتنی تعداد تعلیم حاصل کر رہی ہے اس کے حساب سے محکمہ تعلیم کی عطا کردہ دس لاکھ روپے کی اس رقم کو تقسیم کیا جائے تو فی طالب علم پچیس پیسے سالانہ بنتے ہیں۔ وزیر تعلیم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر ان کا یہ اصرار قائم رہا کہ رقم تقسیم کرتے ہوئے مدارس کے معیار اور کوالٹی کا بہرحال لحاظ رکھا جائے۔

مجلس مذاکرہ میں امریکہ کی ہمپٹن یونیورسٹی کے استاذ محترم ڈاکٹر ممتاز احمد بھی شریک تھے جو جنوبی ایشیا کے دینی مدارس کے بارے میں سروے کر رہے ہیں اور حال ہی میں بنگلہ دیش کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں بنگلہ دیش کے دینی مدارس کے بارے میں اپنی سروے رپورٹ کا خلاصہ پیش کر کے شرکاء محفل کو چونکا دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش میں دینی تعلیم دینے والے مدارس کی تعداد اس وقت اٹھائیس ہزار سے زائد ہے جن میں ساٹھ لاکھ کے لگ بھگ طلبہ اور طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں ساڑھے چھ ہزار مدارس وہ ہیں جو صرف عوامی چندہ سے چلتے ہیں جبکہ ان مدارس کی تعداد بھی کم و بیش اتنی ہی ہے جنہیں حکومت کی طرف سے امداد دی جاتی ہے جو مختلف مدارج میں اخراجات کے اسی فیصد تک جا پہنچتی ہے اور کچھ دینی مدارس ایسے بھی ہیں جو صرف حکومت کے خرچہ پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ مساجد میں قائم ابتدائی دینی مدارس کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس سال بنگلہ دیش کی حکومت نے اپنے بجٹ میں دینی مدارس کے لیے جو رقم مخصوص کی ہے اس کی مقدار پانچ سو کروڑ ٹکہ (پانچ ارب ٹکہ) ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کی حکومت نے ان دینی مدارس کو بند کرنے کا پروگرام بنایا تھا ان مدارس پر الزام تھا کہ انہوں نے پاکستان کی حمایت کی ہے اور ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء بنگلہ قومیت کی بجائے اسلام کی بات کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے رپورٹ میں یہ سفارش کر دی کہ ان مدارس کو بند کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی مجیب حکومت نے ایک عوامی سروے کا بھی اہتمام کیا جس کی رپورٹ حیران کن تھی کیونکہ اس کے مطابق ملک کے نوے فی صد عوام نے جن میں جدید پڑھے لکھے حضرات کی اکثریت تھی دینی مدارس کو بند کر دینے کی تجویز کی سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی اور حکومت سے کہا تھا کہ وہ دینی مدارس کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد نے بتایا کہ اس سلسلہ میں بنگلہ دیش کے عوامی حلقوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اسی دوران ایک روز مولانا عبد الحمید بھاشانی نے شیخ مجیب الرحمٰن کی گاڑی کو ایک

سڑک پر جاتے ہوئے راستہ میں رکوا کر ان سے کہا کہ آپ کی بہت سی باتیں میں برداشت کرتا رہا ہوں اور اب بھی کر رہا ہوں مگر دینی مدارس بند کرنے کی بات برداشت نہیں کروں گا اور اگر اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا تو اس کی مزاحمت کے لیے میں خود میدان میں آؤں گا۔ چنانچہ شیخ مجیب الرحمٰن نے دینی مدارس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ ترک کر دیا اور بنگلہ دیش میں دینی مدارس پوری آزادی اور پہلے سے زیادہ وسعت کے ساتھ دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ اس موقع پر پروفیسر خورشید احمد نے ترکی کے تجربہ کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ ترکی میں اتاترک کے دور میں دینی مدارس کو بالکل بند کر دیا گیا تھا اور دینی تعلیم ہر سطح پر ممنوع قرار دے دی گئی تھی جو کم و بیش ۳۵ سال تک مسلسل ممنوع رہی جبکہ ساٹھ کی دھائی میں وزیر اعظم عدنان مینڈرس شہیدؒ نے یہ پابندی اٹھا کر ابتدائی اور ثانوی سطح پر دینی تعلیم کی اجازت دے دی جس کے بعد دینی مدارس قائم ہوئے اور ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان سول اور فوج کے مختلف محکموں میں جانے لگے جس کا نتیجہ عظیم فکری اور ذہنی انقلاب کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے کہ ترکی میں اسلامی بیداری کی لہر نے پوری قومی زندگی کا احاطہ کر لیا ہے اور اسی سے پریشان ہو کر سیکولر فوج نے اب پھر ترکی کے مدارس میں قرآن و سنت کی تعلیم کو ممنوع قرار دے دیا ہے لیکن دینی تعلیم کا پہلا دور اپنا اثر دکھا چکا ہے اور ترکی میں اب اسلامی بیداری کو دبانا ممکن نہیں رہا۔

مجلس مذاکرہ کے اختتامی خطاب میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے رکن ڈاکٹر محمود احمد غازی نے بتایا کہ حکومت دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری پر یقین رکھتی ہے اور اس میں کسی قسم کی مداخلت کا پروگرام نہیں ہے۔ البتہ وہ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اس قسم کی ترمیم و اصلاح ضرور چاہتی ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء آج کے دور کے تقاضوں کو سمجھیں اور ان سے ہم آہنگ ہو کر آج کے عالمی تناظر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سر انجام دے سکیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت دینی مدارس کے نظام میں کسی قسم کا دخل دیے بغیر دینی تعلیم کا ایک مستقل بورڈ قائم کرنے اور تعلیمی کونسل تشکیل دینے کا پروگرام بنا رہی ہے جس کے ساتھ رضاکارانہ طور پر منسلک ہونے کی دینی مدارس کو دعوت دی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی حکومت بڑے شہروں میں ماڈل دارالعلوم قائم کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہے جس کے لیے نصاب ترتیب دیا جا چکا ہے اور بہت جلد اس سلسلہ میں عملی پیش رفت کی جا رہی ہے۔

نحمدہ تبارک وتعالیٰ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

محترم پروفیسر خورشید احمد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دینی مدارس کے حوالہ سے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کی مجلس مذاکرہ میں مجھے منتخب ارباب علم و دانش کے ساتھ ملاقات و گفتگو کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازیں اور ہماری اس ملاقات و گفتگو کو دین و ملت کے لیے افادیت کا حامل بنا دیں۔ آمین یا رب العالمین۔

جنوبی ایشیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے جن دینی مدارس کے بارے میں آج ہم بحث و گفتگو کر رہے ہیں وہ اس وقت عالمی سطح کے ان اہم موضوعات میں سے ہیں جن پر علم و دانش اور میڈیا کے اعلیٰ حلقوں میں مسلسل مباحثہ جاری ہے اور مغرب اور عالم اسلام کے درمیان تیزی سے آگے بڑھنے والی تہذیبی کشمکش میں یہ مدارس اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و روایات کے ایسے مراکز اور سرچشموں کے طور پر متعارف ہو رہے ہیں جو مغربی تہذیب و ثقافت کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت اور ایڈجسٹمنٹ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے ایک بڑے اور موثر حصے کو اس بے لچک رویہ اور غیر مصالحانہ طرز عمل پر قائم رکھنے کا باعث بن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف طبقات اور اداروں میں یہی ادارہ مغرب کی تنقید اور کردار کشی کی مہم کا مرکزی ہدف قرار پایا ہے اور گلوبل سولائزیشن وار میں اس ادارہ کو امت مسلمہ کے سپر انداز ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانتے ہوئے اسے راستہ سے ہٹانے کے مختلف منصوبے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں اور یہ اسی کا رد عمل ہے کہ دینی مدارس خود کو حالت جنگ میں سمجھتے ہوئے اپنی موجودہ صف بندی میں کسی قسم کے رد و بدل پر آمادہ نہیں ہیں اور ان کے نظام و نصاب میں ترمیم و تبدیلی کی کوئی بھی تجویز ان کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاح احوال کے حوالہ سے بھی کوئی بات کہتے ہوئے ان کی اس مجبوری کو سامنے رکھنا ہوگا اور ان تحفظات کا لحاظ کرنا ہوگا جن کے باعث دینی مدارس کے ارباب حل و عقد خود کو اردگرد کے ماحول سے بے گانہ رکھنے اور منہ کان لپیٹ کر اس فضا سے گزر جانے پر مجبور پا رہے ہیں۔ اس لیے اپنی گزارشات کو آگے بڑھانے سے قبل دینی مدارس کے تحفظات میں سے دو اہم امور کا تذکرہ اس مرحلہ پر ضروری خیال کرتا ہوں

○ دینی مدارس یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرہ میں عام مسلمان کا تعلق دین کے ساتھ قائم رکھنے، دینی علوم کی ترویج و اشاعت اور اسلامی اقدار و روایات کے تحفظ کے لیے ان کے مسلمہ کردار کی اثر خیزی کی اصل وجہ ان کا آزادانہ کردار اور انتظامی و مالی خود مختاری ہے جسے وہ عام مسلمانوں کے رضا کارانہ تعاون کے ذریعہ قائم رکھے ہوئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ سرکاری اور ریاستی اداروں کو کسی بھی درجہ میں دینی مدارس کے نظام میں دخل اندازی کا موقع مل گیا تو وہ اپنے اس کردار یا کم از کم اس کے اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں گے۔

○ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد یہ سمجھتے ہیں کہ ان مدارس کے قیام و وجود کا سب سے اہم مقصد معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کے ادارہ کو قائم رکھنا اور اسے رجال کار فراہم کرتے رہنا ہے جو کہیں اور سے فراہم نہیں ہو رہے اس لیے وہ اپنے نصاب کو اسی دائرہ میں محدود رکھنا چاہتے ہیں تاکہ دینی مدارس سے تیار ہونے والی کھیپ صرف ان کی اپنی ضروریات میں کھپتی رہے اور اس شعبہ سے افرادی قوت کا انخلاء اس انداز سے نہ ہو کہ معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کا بنیادی ادارہ ضرورت کے افراد کی کمی کے باعث تعطل کا شکار ہونے لگے۔ ہمارے نزدیک ان دینی مدارس میں جدید سائنسی علوم کے داخلہ کا دروازہ بند رکھنے کی بنیادی وجہ یہی چلی آرہی ہے کہ جدید علوم اور مروجہ فنون سے آراستہ ہونے کے بعد کسی فاضل مسجد و مدرسہ کے ماحول میں محدود رکھنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ہو جائے گا۔ جبکہ مسجد و مدرسہ کے نظام کو باقی رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک اچھی خاصی تعداد خود کو دوسرے تمام کاموں سے فارغ کر کے اسی کام کے لیے وقف کر دے اور اب تک کا تجربہ و مشاہدہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کی یہی "حکمت عملی" جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں دینی حمیت و وابستگی کو باقی رکھنے بلکہ اسے پوری دنیائے اسلام میں امتیازی حیثیت پر فائز کرنے کا باعث بنی ہوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس وقت دینی مدارس میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے "سب اچھا" کہہ کر ہمیں خاموش ہو جانا چاہیے بلکہ دینی مدارس کے اس نظام و نصاب میں اصلاح کی ضرورت خود ان دینی مدارس کے سنجیدہ اکابر ایک عرصہ سے محسوس کر رہے ہیں اور اس کا اظہار بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ اصلاح احوال کے لیے ان کی مخلصانہ آواز کو جب کچھ دوسرے حلقے "کیچ" کر کے اس کی آڑ میں اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ آواز بھی وقتی طور پر مصلحت کے تحت دب جاتی ہے اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی۔

اس پس منظر میں دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاح احوال کی ضرورت اور حکمت عملی پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں دینی مدارس کے تحفظات اور ان کے ارباب حل و عقد کے ذہنوں میں موجود خطرات و خدشات کو پوری طرح ملحوظ رکھنا ہوگا۔ چنانچہ اسی مجموعی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات میں دینی مدارس کے نظام و نصاب میں جن اصلاحات، ترامیم اور اضافوں کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جا رہی ہے انہیں اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

۱۔ دینی مدارس میں مروجہ زبانوں پر اس درجہ کے عبور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی کہ ایک فارغ التحصیل عالم دین کسی مسئلہ پر اپنا مافی الضمیر انگلش، عربی، یا کم از کم اردو میں ہی شستہ انداز میں قلم بند کر سکے یا اس کا زبانی طور پر کسی علمی محفل میں سلیقہ کے ساتھ اظہار کر سکے۔ اس لیے دینی مدارس میں ایسا نظام قائم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تحریری اور تقریری طور پر مافی الضمیر کے اظہار پر فضلاء کو دسترس حاصل ہو اور انگلش بھی کم از کم اس درجہ میں لازمی ہے کہ لکھی ہوئی چیز پڑھ اور سمجھ کر وہ اس کے بارے میں کسی بھی زبان میں اظہار خیال کر سکیں۔

۲۔ درس نظامی کے مروجہ نصاب میں تاریخ بالخصوص عالم اسلام کی تاریخ کے بارے میں کوئی قابل ذکر مواد موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک فارغ التحصیل عالم دین عام طور پر تاریخی تسلسل اور اہم واقعات کی ترتیب تک سے بے خبر رہ جاتا ہے اور یہ بات خود دینی راہ نمائی کے تقاضوں کے منافی ہے۔

۳۔ دوسرے ادیان و مذاہب، معاصر فلسفہ ہائے حیات اور نظام ہائے زندگی کا تقابلی مطالعہ دینی مدارس کے فضلاء کے لیے انتہائی ضروری ہے اور موجودہ عالمی تہذیبی کشمکش کے پس منظر اور مرحلہ وار پیش قدمی سے بھی علماء کرام کا باخبر ہونا لازمی ہے ورنہ موجودہ عالمی تناظر میں اسلام کی صحیح ترجمانی کا فریضہ سرانجام دینا ممکن ہی نہیں ہے۔

۴۔ ملت اسلامیہ کے اندرونی فقہی مذاہب اور مسالک کی تاریخ اور جدوجہد کے ادوار سے واقفیت بھی ایک عالم دین کے لیے ناگزیر ہے لیکن مناظرانہ انداز میں نہیں بلکہ تعارف اور بریفنگ کے انداز میں تاکہ اصل تقابلی تناظر سامنے رہے اور اپنے فقہی مذہب اور مسلک کی خدمت کرتے ہوئے بھی شعور و ادراک کے ساتھ ایک عالم دین کا رشتہ استوار رہے۔

۵۔ دینی مدارس میں اس وقت مختلف علوم و فنون میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں وہ بہت مفید اور ضروری ہیں لیکن ان کتابوں کے لکھے جانے کے بعد کی صدیوں میں علوم و فنون میں جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اور ہر علم میں نئے نئے شعبوں اور ابواب کا اضافہ ہوا ہے ان سے علماء کرام کو لاتعلق رکھنا ان کے ساتھ سراسر زیادتی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ انہی علوم و فنون میں نئی لکھی جانے والی مفید کتابوں کا انتخاب کیا جائے اور انہیں بھی شامل نصاب کیا جائے۔

۶۔ ہمارے ہاں درس نظامی میں عام طور پر کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے جس سے طالب علم میں استعداد تو پیدا ہوتی ہے اور اس کی مطالعہ و استنباط کی صلاحیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کی نظر متعلقہ علم و فن کے وسیع تر تناظر اور افق کی بجائے کتاب کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے جبکہ علم و فن کے تمام پہلوؤں سے اس کی شناسائی نہیں ہوتی اس لیے طریق تدریس میں اتنی تبدیلی ضروری ہے کہ کسی علم یا فن کی ضروری کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس علم و فن کے تعارف، تاریخ، ضروری مباحث اور جدید معلومات پر محاضرات کا بھی اہتمام کیا جائے تاکہ طلبہ اپنے اساتذہ کے علوم و مطالعہ سے زیادہ بہتر انداز میں فیض یاب ہو سکیں اور علوم و فنون کی فطری پیش رفت کے ساتھ بھی ان کا تعلق قائم رہے۔

۷۔ ہمارے ہاں نظری، فقہی اور فروعی مباحث میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کے احترام اور برداشت کا معاملہ خاصا ناگفتہ بہ ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ خالصتاً فروعی حتیٰ کہ اولیٰ غیر اولیٰ کے جزوی اختلافات بھی بحث و مباحثہ میں اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ کفر و اسلام میں معرکہ آرائی کا تاثر ابھرنے لگتا ہے۔ یہ صورت حال بہت زیادہ توجہ کی طالب ہے اور دینی مدارس کے ارباب حل و عقد کو اس سلسلہ میں سنجیدہ اقدامات کی ضرورت محسوس کرنی چاہیے۔

۸۔ ہمارے ہاں درس نظامی میں اساتذہ کی تربیت کا کوئی نظام و نصاب موجود نہیں ہے حالانکہ تمام نظام ہائے تعلیم میں اس کی ضرورت و افادیت مسلم ہے مگر درس نظامی کے مدارس میں عملاً یہ ہوتا ہے کہ اچھی استعداد اور ذوق رکھنے والا فاضل کسی نہ کسی مدرسہ میں تدریس کی جگہ حاصل کر لیتا ہے مگر اس کے بعد طلبہ کی ذہن سازی، تربیت اور ان کی فکری ترجیحات کے تعین میں وہ کسی اصول، ضابطہ و قانون اور متعین اہداف کا پابند نہیں ہوتا بلکہ یہ معاملات خالصتاً اس کے ذاتی ذوق اور رجحان پر منحصر ہوتے ہیں جس کے اثرات لازماً طلبہ پر بھی پڑتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ دینی مدارس کے وفاقوں کی سطح پر اساتذہ کی تربیت کے کورس طے کیے جائیں اور بتدریج اس سلسلہ کو اس طرح آگے بڑھایا جائے کہ کسی مدرسہ میں تدریس کا منصب حاصل کرنے کے لیے یہ کورس شرط سمجھا جانے لگے۔

۹۔ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی عمومی تعلیم کے ساتھ ساتھ آج کے دور میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی نظام حیات کو ایک مستقل مضمون اور باضابطہ نصاب کے طور پر پڑھایا جائے اور اسلامی احکام و قوانین پر فکر جدید کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات اور شبہات و شکوک کو سامنے رکھتے ہوئے طلبہ کو شعوری طور پر اسلامی نظام کی ترجمانی اور نفاذ کے لیے تیار کیا جائے۔

۱۰۔ ابلاغ عامہ کے تمام میسر ذرائع مثلاً پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور کمپیوٹر وغیرہ کے ساتھ دینی مدارس کے طلبہ و فضلاء کی اس درجہ کی شناسائی اور مہارت ضروری ہے کہ وہ ان کے استعمال کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں اور ان ذرائع سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والے کام کی نوعیت اور دائرہ کار کا ادراک کرتے ہوئے اس کے توڑ کے لیے کچھ نہ کچھ کردار ضرور ادا کر سکیں۔

۱۱۔ درس نظامی کے نصاب کی اس انداز میں درجہ بندی ہونی چاہیے کہ تمام طلبہ کے لیے قرآن و حدیث، فقہ اور عربی گرائمر کی یکساں ضرورت کی ایک حد متعین کر کے اس کے بعد طلبہ کی جداگانہ صلاحیتوں اور ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے مختلف علوم و فنون میں گروپ بندی کا اہتمام کیا جائے تاکہ ہر طالب علم اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق تعلیمی میدان میں آگے بڑھ سکے۔

۱۲۔ دینی مدارس کو اپنے اردگرد رہنے والے عام شہریوں بالخصوص سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے لیے بھی مناسب اوقات میں مختصر کورسز کا اہتمام کرنا چاہیے جن کے ذریعے وہ ضروری عربی گرائمر کے ساتھ قرآن کریم کا ترجمہ اور ضروریات زندگی کے حوالہ سے حدیث و فقہ کا منتخب نصاب پڑھ سکیں۔

۱۳۔ دینی مدارس کے وفاقوں یا بڑے دینی مدارس کی سطح پر باصلاحیت اور ذہین فضلاء درس نظامی کے لیے تخصص کے ایسے کورسز کا اہتمام ضروری ہے جس کے ذریعہ انہیں مروجہ بین الاقوامی زبانوں مثلاً عربی، انگلش، فرنچ اور فارسی وغیرہ میں تحریر و گفتگو کی مہارت حاصل ہو۔ موجودہ عالمی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں اسلام کی دعوت، ترجمانی اور دفاع کے لیے تیار کیا جائے اور ان میں بریفنگ، لابنگ اور دفتری کام کی جدید ترین تکنیک کو سمجھنے اور اسے استعمال کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو۔

۱۴۔ طلبہ میں تحریر و تقریر اور مطالعہ و تحقیق کا ذوق بیدار کرنے کے لیے وفاقوں اور مدارس کی سطح پر خطابت اور مضمون نویسی کے انعامی مقابلوں کا اہتمام کیا جائے۔

یہ ان ضروریات اور تقاضوں کی ایک سرسری فہرست ہے جو مروجہ حالات میں دینی مدارس کے روایتی کردار کو زیادہ موثر بنانے اور انہیں اپنے پہلے سے طے شدہ اہداف و مقاصد سے قریب تر کرنے کے لیے ضروری سمجھے جا رہے ہیں لیکن اس کے لیے دینی مدارس اور ان کے وفاقوں کے ارباب حل و عقد کو آمادہ کرنے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے؟ اس ضمن میں چند عملی تجاویز پیش کر رہا ہوں

○ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں ریاستی اداروں کی مداخلت کے امکانات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے دینی مدارس کے آزادانہ کردار اور انتظامی و مالیاتی خود مختاری کے تحفظ کی جدوجہد میں ان کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کیا جائے۔

○ دینی مدارس کے منتظمین کو یقین اور اعتماد دلایا جائے کہ اصلاح احوال کی یہ تجاویز ان کے بنیادی مقاصد و اہداف کا رخ تبدیل کرنے اور ان کے تحفظات کو مجروح کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے پہلے سے چلے آنے والے متعینہ مقاصد کے لیے ان کے کردار کو مزید موثر بنانے کی غرض سے پیش کی جا رہی ہیں۔

○ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے سرکردہ اصحاب علم و دانش کی ایک کمیٹی قائم کی جائے جو دینی مدارس کے مختلف وفاقوں کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم کر کے ان سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کرے۔

○ مختلف شہروں میں اس مقصد کے لیے خاص علمی اور فکری انداز میں مجالس مذاکرہ کا انعقاد عمل میں لایا جائے جن میں دینی مدارس کے سینئر اساتذہ کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔

○ مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس کے الگ الگ وفاقوں کی جداگانہ حیثیت کا احترام کرتے ہوئے ان کے مابین رابطہ کار کے لیے ایک مشترکہ وفاق یا کم از کم مشاورتی بورڈ کے باضابطہ قیام کی کوشش کی جائے۔

○ بڑے دینی مدارس اور وفاقوں سے گزارش کی جائے کہ وہ دینی مدارس ہی کے پرانے اور تجربہ کار اساتذہ کے مذاکروں کا اہتمام کریں اور دینی مدارس کے نظام و نصاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے ان سے تجاویز لے کر ان کی روشنی میں اپنی ترجیحات اور طریق کار پر نظر ثانی کا اہتمام کریں۔

مجھے امید ہے کہ اگر اس انداز سے سنجیدگی کے ساتھ کام کا آغاز ہو جائے تو ہم دینی مدارس کو ریاستی اداروں کی مداخلت کے خطرات اور بنیادی مقاصد سے انحراف کے خدشات سے محفوظ رکھتے ہوئے انہیں ان ضروری اصلاحات و ترامیم کے لیے تیار کر سکیں گے جو تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے عالمی حالات میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفاد کے لیے دینی مدارس کے نظام و نصاب کو زیادہ موثر بنانے کے لیے ناگزیر ہو چکے ہیں۔

میں آپ سب حضرات کی طویل سمع خراشی پر معذرت خواہ ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ ان امور پر آپ جیسے ارباب علم و دانش کی گراں قدر آراء و تجاویز دینی مدارس کے مقاصد، مستقبل اور پہلے سے زیادہ موثر کردار کے لیے یقیناً مفید اور بار آور ثابت ہوں گی۔

ابو عمار زاہد الراشدی
سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

نوٹ: یہ مضمون ۳ اگست ۲۰۰۰ء کو اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیر اہتمام دینی مدارس کے بارے میں منعقد ہونے والی مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا۔

زیر سرپرستی
حضرت مولانا
محمد سرفراز خان صفدر

الشریعۃ اکیڈمی

ہاشمی کالونی، کنگنی والا، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

متولی و منتظم
مولانا زاہد الراشدی
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

☆ مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت اور مقامی بچوں کی دینی تعلیم کے لیے صبح و شام کلاس جاری ہے۔

☆ مسجد اور مدرسۃ البنات سمیت نو مزید کمروں پر مشتمل وسیع تہہ خانہ کی چھت ڈالی جا چکی ہے۔

☆ عمارت کی تیاری کا ضروری کام ملک گیر ہڑتالوں کے باعث رک گیا تھا جسے برسات کا موسم گزرنے کے بعد ستمبر میں دوبارہ شروع کرنے کا پروگرام ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆ مسجد کے لیے طہارت خانہ اور وضو خانہ کے سامان کے علاوہ دروازوں، کھڑکیوں، عجلی کی وائرنگ کی فوری ضرورت ہے۔

اصحاب خیر سے بھرپور تعاون کی درخواست ہے، کسی روز خود موقع پر تشریف لائیں، ضروری کام کا جائزہ لیں اور تعمیراتی سامان یا نقد رقم کی صورت میں تعاون فرما کر کار خیر میں شریک ہوں۔

بذریعہ بینک زر تعاون بھجوانے والے دوست مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر میں رقم ارسال فرمائیں اور بذریعہ خط اطلاع دیں تاکہ اس کی باقاعدہ رسید بھجوائی جا سکے۔

ترسیل زر کے لیے: چیک یا ڈرافٹ بنام "الشریعہ" اکاؤنٹ نمبر 1260۔ حبیب بینک لمیٹڈ۔ تھانے والا بازار برانچ۔ گوجرانوالہ

رابطہ و معلومات کے لیے: حافظ محمد عمار خان ناصر، مرکزی جامع مسجد (شیرانوالہ باغ) گوجرانوالہ۔ فون: 219663

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

اسوہ نبویؐ کی جامعیت

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمونہ اور اسوہ تھی۔ مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ و ارفع زندگی تمام اوصاف و اصناف میں ایک جامع زندگی ہے۔

آپ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوہ حسنہ ایک کامل ضابطہ حیات اور دستور ہے۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی اور نظام اور قانون کی ضرورت ہی محسوس ہو سکتی ہے ۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

اگر آپ بادشاہ اور سربراہ مملکت ہیں تو شاہ عرب اور فرماں روائے عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے۔ اگر آپ فقیر و محتاج ہیں تو کملی والے کی زندگی آپ کے لیے اسوہ حسنہ ہے، جنہوں نے کبھی دقل (ردی قسم کی کھجوریں) بھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔ اور جن کے چولہے میں بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ اگر آپ سپہ سالار اور فاتح ملک ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لیے بہترین سبق ہے جس نے عفو و کرم کے دریا بہا دیے تھے۔ اور لا تثریب علیکم الیوم کا خوش آئند اعلان فرما کر تمام مجرموں کو آن واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔ اگر آپ قیدی ہیں تو شعب ابی طالب کے زندانی کی حیات آپ کے لیے درس عبرت ہے۔ اگر آپ تارک دنیا ہیں تو غار حرا کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابل تقلید عمل ہے۔ اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام اجیاد میں آپ کو چند قراریط (نکوں) پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ معمار ہیں تو مسجد نبوی کے معمار کو دیکھ کر ان کی اقتداء کر کے خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقع پر اس بزرگ ہستی کو پھاوڑا لے کر مزدوروں کی صف میں دیکھ کر اور مسجد نبوی کے لیے بھاری بھر کم وزنی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہوئے دیکھ کر قلبی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مجرد ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفت مآب زندگی کی پیروی کر کے سرور قلب حاصل کر سکتے ہیں جس کو کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی داغدار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی جرات کی ہے۔ اگر عیال دار ہیں تو آپ متعدد ازواج مطہرات کے شوہر کو انا خیرکم لاھلی فرماتے ہوئے سن کر جذبہ اتباع پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے لعل کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی اور تاسی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ ماں باپ کے اکیلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون و تناصر سے محروم ہیں تو حضرت عبد اللہ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اشک شوئی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، قاسمؓ اور ابراہیمؓ (وغیرہ) کے شفیق و مہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار میں آپ کو دیانتدارانہ سعی کرتے ہوئے معائنہ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عابد شب خیز ہیں تو اسوہ حسنہ کے مالک کے متورم قدموں کو دیکھ کر اور افلا اکون عبدا" شکورا" فرماتے ہوئے آپؐ کی اطاعت کو ذریعہ قرب خداوندی اختیار کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مسافر ہیں تو خیبر و تبوک وغیرہ کے مسافر کے حالات پڑھ کر طمانیت قلب کا وافر سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ امام اور قاضی ہیں تو مسجد نبوی کے بلند رتبہ امام اور فصل خصومات کے بے باک اور منصف مدنی کو بلا امتیاز قریب و بعید اور بغیر تفریق قوی و ضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اگر آپ قوم کے خطیب ہیں تو خطیب اعظم کو منبر پر جلوہ افروز ہو کر بلیغ اور موثر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے غافل قوم کو انا نذیر العریان فرما کر بیدار کرتے ہوئے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم اور قابل اقتداء زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اسوہ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

از حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

مسجد کا احترام اور اس کے آداب

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے عبادت کے کئی خود ساختہ طریقے ایجاد کر رکھے تھے جو بذات خود آداب مسجد کے خلاف تھے۔ مثلاً ان کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں۔ ان کپڑوں کے ساتھ ہم بیت اللہ جیسے پاک مقام کا طواف کیسے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو قریش مکہ اپنے کپڑے عاریتاً دے دیتے تھے وہ ان کپڑوں کے ساتھ طواف کر لیتے تھے اور باقی حاجیوں کی غالب اکثریت اپنے کپڑوں میں طواف کرنے کی بجائے بالکل برہنہ طواف کرنے کو ترجیح دیتی تھی۔ چنانچہ مرد دن کے وقت بیت اللہ کا طواف کرتے اور عورتیں رات کے وقت۔ وہ بدبخت اس شنیع فعل کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ ہم اس کے حکم سے ایسا کرتے ہیں۔ حالانکہ گزشتہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء یعنی اللہ تعالیٰ تو اس بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ ایسے عمل کو اللہ تعالیٰ یا شریعت کی طرف منسوب کرنا تو بہت بڑی زیادتی کی بات ہے۔

آداب مسجد

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب خود حضور علیہ السلام یا آپ کا کوئی صحابی بیت اللہ شریف کے پاس نماز کے لیے کھڑا ہوتا تو مشرک لوگ دخل اندازی کے لیے سیٹی بجانا شروع کر دیتے تھے جو کہ نہایت ہی بے ادبی اور گستاخی کی بات تھی۔ مسجدوں کے آداب کے متعلق سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ اللہ تعالیٰ نے تو مساجد کو اللہ کا نام بلند رکھنے اور ان میں اس کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ وہاں سیٹی بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو وہاں پر عبادت سے روک سکیں۔ جب بیت اللہ شریف کی عمارت حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی تو اللہ نے اپنے دونوں انبیاء سے وعدہ لیا ان طھرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود (البقرہ) کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں گے۔ اس حکم میں ظاہری طہارت بھی آتی ہے کہ اللہ کا گھر ظاہری نجاست سے بالکل پاک صاف ہو اور باطنی طہارت بھی کہ وہاں پر کفر' شرک' بے ادبی اور گستاخی کی کوئی بات نہ ہو' حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنے گھر میں بھی جو جگہ نماز کے لیے متعین کی جائے وہ بھی مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اس کو بھی پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔

صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے صحن میں پیشاب کر دیا' حضور علیہ السلام کے صحابہ اسے مارنے کے لیے دوڑے مگر آپ نے اس پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ پھر اس شخص کو اپنے پاس بلا کر بات سمجھائی کہ اللہ کے گھر اس لیے نہیں ہوتے کہ یہاں گندگی پھینکی جائے۔ یہ مقام تو اللہ کی عبادت' نماز اور ذکر کے لیے ہوتے ہیں۔ آپ نے بڑی نرمی سے سمجھایا' پھر مسجد کو صاف کرایا۔ غرضیکہ مسجد میں تالیاں بجانا' سیٹی مارنا' دوڑنا' گندگی پھیلانا سب آداب کے خلاف ہیں۔ اسی طرح پتنگ اڑانا' لڑائی جھگڑا کرنا' سامان بیچنا اور گمشدگی کا اعلان کرنا بھی خلاف ادب ہے۔ حتیٰ کہ مسجد میں ہتھیار برہنہ کرنے اور حدود جاری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مسجد کا ادب اور خاص طور پر بیت اللہ شریف کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

اللہ نے فرمایا کہ مشرکین کی نماز یہ ہے کہ بیت اللہ کے نزدیک سیٹی اور تالیاں بجائیں۔ حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تصدیہ سے مراد وہ آواز ہے جو ہاتھ پاؤں مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تالیاں بجانے سے منع فرمایا ہے۔ اور صد کا معنی روکنا بھی ہوتا ہے۔ ۶ھ میں مشرکین مکہ نے عمرہ کے لیے آنے والے مسلمانوں کو مکہ سے باہر ہی روک دیا تھا اور شہر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی طرح مکاء کا معنی منہ میں انگلی ڈال کر آواز نکالنا یا بنی بنائی سیٹی بجانا ہے۔ مکاء اس پرندے کو بھی کہتے ہیں جو سیٹی کی سی آواز نکالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے اسباب تو ایسے جمع کر رکھے ہیں کہ یہ فوری سزا کے مستحق ہیں مگر دو وجوہات سے ان پر عذاب رکا ہوا ہے جب تک حضور علیہ السلام مکے میں موجود رہے اور جب تک مشرکین استغفار کرتے رہے ان کی سزا رکی رہی۔ پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر ان پر عذاب نازل فرمایا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ کفار کے ستر سرکردہ آدمی قتل ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے جنہیں فدیہ لے کر چھوڑا گیا۔ اللہ نے فرمایا فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون "اب سزا کا مزا چکھو جو کہ تمہارے کفر کا بدلہ ہے۔"

بریگیڈیر (ر) شمس الحق قاضی

سیکولرازم، عالم اسلام اور پاکستان

پاکستان کے لیے سیکولر ازم کی حمایت کرتے ہوئے ایئر مارشل اصغر خان نے حالیہ اخباری بیان میں فرمایا ہے کہ پاکستان کے نام سے اسلام کو نکال دینا چاہیے تاکہ یہاں پر مکمل سیکولر معاشرہ قائم ہو سکے۔ واضح رہے کہ ماضی میں صدر ایوب خان نے بھی یہی ارادہ کیا تھا لیکن پھر ۱۹۶۵ء کی جنگ شروع کرتے ہوئے آپ کو کلمہ طیبہ ہی کا سہارا لینا پڑا تھا۔ چنانچہ حال ہی میں نوائے وقت کے ایک فاضل کالم نگار نے لکھا ہے کہ بنیادی طور پر اصغر خان بھی اسلام پسند ہیں اور اسی لیے آپ نے بھٹو کی ترغیب کے باوجود صرف اس لیے پیپلز پارٹی میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا کہ پارٹی کے بنیادی اصولوں میں سوشلزم کو اسلام پر فوقیت دی گئی تھی۔ ہم نے اصغر خان کی استقلال پارٹی میں تقریباً" دس سالہ شمولیت کے دوران مشاہدہ کیا ہے کہ جناب اصغر خان بڑی خوبیوں کے مالک ہیں اور آپ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ دوسرے کا نقطہ نظر بڑے صبر و تحمل سے سنتے ہیں اور بلکہ بعض اوقات قبول بھی کر لیتے ہیں اور دوسری طرف اپنا نقطہ نظر صاف صاف بیان کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ سیاست اقتدار تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے آج کل اکثر سیاست دان مقصد کے حصول کے لیے اپنے نقطہ نظر میں خاص لچک رکھتے ہیں۔ بہت سارے واقعات میں سے صرف دو مثالیں قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے کئی ایک فرضی انتخابات میں سے ایک کی تیاری کے لیے یہاں ہماری ہمسائیگی میں رفیع بٹ کے گجرات ہاؤس میں تحریک استقلال کی انتخابی میٹنگ کے دوران ائر مارشل کی ہدایت پر محمود علی قصوری نے بھٹو والے آخری الیکشن کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام پسندوں کے مقابلہ میں اسلام مخالف ووٹ بہت زیادہ تھے۔ اس پر اصغر خان نے فرمایا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ الیکشن جیتنے کے لیے ہمیں سیکولر ازم سے کام لینا ہوگا۔ بلکہ اس طرح ہمیں سارے اقلیتی ووٹ بھی مل جائیں گے۔ واضح رہے کہ اس زمانہ میں بھٹو نے مخلوط انتخاب رائج کر رکھا تھا۔ بہرحال کچھ مندوبین نے بیان کیا کہ اقلیتی ووٹ تو پیپلز پارٹی کے سکہ بند ووٹ ہیں اس لیے ہمیں ان سے زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اسی دوران سیکولر ازم کے حق میں نئی پارٹی لائن سے ناراض ہو کر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے استقلال پارٹی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چند دنوں بعد پارٹی کے بانی سیکرٹری جنرل رضوی سے کرنل تصدق کے گھر میں ملاقات ہوئی تو آپ نے تجویز پیش کی کہ نئی پارٹی لائن کے خلاف اسلام پسند فارورڈ بلاک قائم کیا جائے۔ میں نے کہا کہ ہمیں فوجی ڈسپلن نے سکھایا ہے کہ کمانڈر سے اختلاف کی صورت میں بغاوت کی بجائے استعفیٰ دے دینا چاہیے لیکن ہم نے استعفیٰ دیا تو پارٹی پر سیکولر گروپ مکمل قبضہ کر لے گا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ ہم لوگ پارٹی کے اندر رہتے ہوئے لادینیت کا مقابلہ کریں۔

دوسرا واقعہ یوں ہوا کہ جب روس کو افغانستان میں زبردست ناکامیوں کا سامنا تھا تو پاکستان میں جہاد افغانستان کی حمایت کم کرنے کے لیے روس کو پاکستانی سیاستدانوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ لوگ اصغر خان کو کابل لے گئے۔ واپس آنے پر آپ نے پریس کانفرنس بلائی۔ راقم اور نوجوان صحافی ظفر حجازی پہلی صف میں بیٹھے تھے۔ اپنے خطاب میں ایئر مارشل نے فرمایا کہ کابل میں بالکل امن و امان ہے۔ وہاں افغانستان میں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ میں نے خود کابل کی جامع مسجد میں نہایت سکون سے نماز جمعہ ادا کی ہے اور یہ صرف حکومت پاکستان ہے جس نے یہاں پاکستان کے اخباروں میں جعلی جنگی جنون برپا کر رکھا ہے۔ اس پر ایک یورپی صحافی نے پوچھا کہ ایئر مارشل اگر آپ کا کہنا صحیح ہے تو پھر یہ پچاس لاکھ افغان مہاجرین آپ نے کیوں پاکستانی کیمپوں میں قید کر رکھے ہیں۔ اصغر خان نے اس کا جواب نہیں دیا۔

بہرحال اب ۱۲ اکتوبر کے انقلاب کے بعد کے کچھ حالات و واقعات کی وجہ سے بعض حلقوں کو دوبارہ امید ہوگئی ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں اب وہ سیکولر ازم کے راستہ سے امریکہ کو خوش کر کے اقتدار تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہاں پر ہم کسی کی نیت پر شک نہیں کرتے اس لیے کہ سیکولر ازم کے حامی حلقوں کا خیال ہے کہ اس طرح ہم ملک کو مالی ترقی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ یہاں پر ہمارا بنیادی اختلاف یہ ہے کہ پاکستان کے مطالبہ میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی آرزو کی گئی تھی اور اسلامی معاشرہ میں زندگی کی دوسری آسائشیں بھی حاصل ہو جائیں جیسا کہ ماضی میں ہوا تو یہ اللہ کی مزید نعمت ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے مکان میں روشن دان بناتے ہوئے عرض کیا کہ اس کا مقصد مکان کو روشنی اور ہوا مہیا کرنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یوں کہتے کہ اذان سننے کے لیے روشن دان رکھ رہا ہوں تو اس نیت کا تمہیں ثواب مل جاتا اور ہوا اور روشنی تو رک نہیں سکتی تھی پھر بھی مہیا رہتی۔

یہاں پر بعض لوگ قائد اعظم کی ۱۱ اگست ۴۷ء والی تقریر میں اقلیتوں کو تحفظ دینے والے حصہ سے ثابت کرتے ہیں کہ قائد اعظم بھی سیکولر ازم کے حامی تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض لوگ علامہ اقبالؒ کے

سارے کلام کے سیاق و سباق بلکہ علامہ کی ساری زندگی کو ایک طرف رکھ کر ان کے "خوشہ گندم" والے شعر سے ثابت کرتے ہیں کہ علامہ اقبال اصل میں کمیونسٹ تھے۔ راقم نے تحریک پاکستان کے اہم ترین آخری تین سال دلی میں گزارے ہیں۔ مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈروں کو قریب سے دیکھا ہے۔ قائد اعظم سے ملاقاتیں کی ہیں۔ ہمیں اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں کہ تحریک پاکستان کا مقصد پاکستان میں دنیا بھر کی رہنمائی کے لیے ایک مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرنا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ایک مختصر سا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ میجر ڈاکٹر محمود احمد دلی میں شیر شاہ روڈ آفیسرز میس میں میرے ہمسایہ تھے۔ آپ علی گڑھ میں فلسفہ پڑھا رہے تھے وہیں سے فوج کے ایجوکیشن محکمہ میں بھرتی ہوگئے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی اور بیروت یونیورسٹیوں میں فلسفہ کے پروفیسر رہے۔ آپ اسلام کے شیدائی اور صوفی منش تھے۔ ایک روز فرمایا' قاضی آپ کے مسلم لیگ ہائی کمان کے ساتھ روابط ہیں۔ میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ والے واقعی پاکستان میں اسلامی معاشرہ قائم کریں گے۔ میں ان کو سو جان سنگھ پارک میں ڈان کے ایڈیٹر الطاف حسین کے پاس لے گیا۔ الطاف حسین نے بتایا کہ قائد اعظم تواتر سے یہی فرما رہے ہیں کہ پاکستان میں قرآن و سنت پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے گا۔ مگر میجر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر پاکستان نہ بنا تو کیا پنڈت نہرو آپ کے لیے ہندوستان میں شریعت نافذ کر دے گا۔ ارے یار پاکستان بننے تو دو۔ کچھ کمی کاہلی دیکھی تو تم خود وہاں اسلام نافذ کر لینا۔ یعنی پاکستان کے ہر شہری کا فرض ہوگا کہ وہاں ایسی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے جو پاکستان کے بنیادی مقاصد کی تکمیل میں مخلص ہو۔ سیکولر ازم کے حامیوں سے ہمارا دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذہبی وابستگی ترقی کی راہ میں ہرگز رکاوٹ نہیں بنتی۔ اسرائیل کی مثال ہم ایک سابقہ مضمون میں دے چکے ہیں۔ آج ہم امریکہ کی ایک مثال دیں گے۔ ۱۹۵۵ء میں امریکہ قیام کے دوران ہم نے ایک امریکی دوست سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کا امریکہ تو مادی ترقی کی معراج پر ہے جبکہ آپ کی ہمسائیگی میں چند ہی قدم دور گرینڈی دریا کے اس پار میکسیکو پاکستان سے بھی زیادہ پسماندہ ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ جنوبی امریکہ کا کیتھولک مذہب ان کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ میں نے حیرت سے جواب دیا کہ فرانس بھی تو کیتھولک ہے مگر امریکہ کے برابر ترقی یافتہ ہے۔ جبکہ اس کی ہمسائیگی میں کیتھولک ہسپانیہ میکسیکو ہی کی طرح پسماندہ ہے تو امریکی دوست سوچ میں پڑ گیا اور بولا واقعی یہ مذہبی وابستگی نہیں بلکہ کاہلی اور اخلاقی پستی ہے جو معاشرہ کو پسماندہ رکھتی ہے۔

اب ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے نہ صرف برصغیر میں بلکہ عالم اسلام میں مادی ترقی کے نام پر سیکولر ازم کی در اندازی کا جائزہ لیتے ہیں۔ زمانہ حال میں سب سے پہلے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا ۱۹۱۱ء کا سفر نامہ شام و حجاز سیکولر ازم کی در اندازی کا دلچسپ پس منظر بیان کرتا ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ بیت المقدس میں ان کو شیخ حرم ابراہیم حسن اور دوسرے عرب زعماء نے بڑے دکھ کے ساتھ بتایا کہ ہم عرب لوگ سلطان عبد الحمید ثانی کے سے بے پناہ محبت کرتے تھے کیونکہ سلطان اتحاد بین المسلمین کا حامی تھا اور بالخصوص فلسطین میں یورپی اور یہودی اثر و رسوخ کا شدید مخالف تھا اور اس لیے اسلام دشمنوں نے نوجوان ترک افسروں سے بغاوت کرا کے ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان کو معزول کر کے ملک بدر کرا دیا۔ واضح رہے کہ اس بغاوت کے بعد نوجوان باغی افسروں کے لیے Young Truks کی اصطلاح کو انگریزی زبان میں شامل کر دیا گیا ہے۔ بہرحال شیخ حرم نے سلطان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ سلطان نے شام و حجاز ریلوے کا منصوبہ بنایا تو بغیر قرضہ لیے محض عالم اسلام کی امداد اور حجاز ریلوے اسمپ جاری کر کے منصوبہ مکمل کر لیا اور اس طرح ستمبر ۱۹۰۰ء میں شروع کر کے ۱۹۰۸ء مدینہ منورہ تک ریلوے سروس جاری کر دی اور خود خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۱۱ء میں اس ریلوے پر مدینہ منورہ تک سفر کیا۔ بعد میں Young Truks کی پارٹی انجمن اتحاد و ترقی جو کہ ترک نسل پرستی اور سیکولر ازم کی داعی تھی نے نئی پارلیمنٹ قائم کی جس کو عرب زعما عربوں کی مخالف سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس دوران ۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء کو القدس میں انجمن اتحاد و ترقی کا اجلاس بلایا گیا جس کا مقصد غلط فہمیاں دور کر کے ترکوں اور عربوں کے درمیان صلح کرانا تھا۔ خواجہ حسن نظامی کو بھی خاص آبزورور کے طور پر شامل کیا گیا۔ وہاں استنبول سے ۳۰۰ مندوبین آئے لیکن ان میں سے چند ایک مسلمانوں کو چھوڑ کر سب نصرانی اور یہودی تھے اس لیے عرب نمائندوں نے شمولیت سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے اجلاس کو ملتوی کرنا پڑا اور اس طرح ترکوں اور عربوں میں مزید ناراضگی پیدا ہوئی۔

بہرحال یہ تو تھے ۱۹۱۱ء کے حالات و واقعات جبکہ ترکی میں سیکولر ازم کا پودا نیا نیا کاشت ہوا تھا۔ اسی دوران ۱۹۱۴ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو فرانس اور برطانیہ نے شام و فلسطین پر حملہ کر دیا اور اس طرح سیکولر ازم کو برگ و بار نکالنے کا موقعہ فراہم ہوگیا۔ اس کے بعد ایک دوسری دلچسپ اور عجیب کہانی شروع ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ۱۹۷۳ء میں میرے پاس ایک کیپٹن ریٹائرڈ الطاف حسین ملازمت کی تلاش میں آئے اور اپنی قابلیت اور تجربہ کے ثبوت میں اپنا کتابچہ "اسلام اور جاسوسی نظام" پیش کیا۔ یہ کتابچہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نام "اسلام کے خلاف جاسوسی نظام" ہونا چاہیے تھا۔ مولف نے بتایا کہ پہلی جنگ عظیم میں وہ ۶ النسر رسالہ میں سپاہی بھرتی تھا۔ وہیں سے انٹیلی جینس ٹریننگ کے بعد جاسوسی کے کام پر مامور ہوا اور اس کا دعویٰ ہے کہ فرانس کے گاؤں Fritville میں اس نے مشہور عالم جاسوس عورت ماتاہری کو گرفتار کرایا۔

بعد میں ان کی یونٹ کے کپتان بارلے اور کپتان لارنس جو کہ عربی زبان اور کلچر کے ماہر تھے' شام و حجاز میں جاسوسی اور تخریب کاری پر مامور ہوئے تو پنجابی مسلمانوں کا جو فوجی دستہ ان کو دیا گیا اس میں مولف بھی

شامل تھا اور اس طرح اس نے لارنس کے سارے آپریشنز میں حصہ لیا۔ واضح رہے کہ یہ کیپٹن لارنس بعد میں کرنل لارنس آف عریبیا مشہور ہوا۔

مولف کا بیان ہے کہ لارنس نے اپنے فوجی دستہ اور Young Truks کی انجمن اتحاد و ترقی کے ستائے ہوئے عربوں کو ساتھ ملا کر حجاز ریلوے کو تخریب کاری کے ذریعہ سے جگہ جگہ سے ناکارہ بنا دیا تھا۔ اسی دوران دیہات میں بدوؤں کے درمیان لارنس کو کئی اسلامی ناموں سے شیخ المشائخ اور ایک بڑی روحانی ہستی کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ بہرحال لارنس نے حجاز ریلوے کو تباہ کر کے سلطان عبد الحمید ثانی کی دس سالہ محنت شاقہ کو خاک میں ملا دیا اور پھر آج تک یہ ریلوے سروس بحال نہیں کی جا سکی۔

مولف کا بیان ہے کہ کیپٹن بارلے کو سفارتکاری کے ذریعہ عرب زعماء کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر اکسانے کا کام دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب ۱۹۱۴ء میں حکومت برطانیہ کے دباؤ کے باوجود شریف مکہ نے انگریزوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تو یہ کام کیپٹن بارلے کے سپرد ہوا۔ ۱۹۱۶ء میں کیپٹن بارلے کی قیادت میں لارنس کے دستہ کے دو مسلمان صوبیداروں کے وفد نے بھاری رقم اور عراق سے شام تک سارے عرب علاقہ کی بادشاہی کی تحریری ضمانت پر شریف مکہ سے ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی۔ چنانچہ لارنس کے دستوں نے شریف مکہ کے بدوؤں کو لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا لیکن ترک گیریژن کمانڈر سے منہ کی کھائی اور اس طرح اختتام جنگ تک مدینہ منورہ کفار کے ناپاک قدموں سے محفوظ رہا۔

دوسری طرف مدینہ منورہ میں ناکامی کے بعد شریف کے بدوؤں اور کرنل لارنس کے ۳۲ عدد پنجابی مسلمان مشین گن دستہ نے جن میں مولف بھی شامل تھا، مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہاں پر راقم نے مولف سے پوچھا کہ یہ کہاں تک سچ ہے کہ اس آپریشن میں پنجابی مسلمان فوجیوں نے کعبۃ اللہ پر گولیاں چلائی تھیں تو مولف نے بتایا کہ یہ غلط ہے۔ البتہ کعبۃ اللہ کے اطراف شہر میں فائرنگ ہوتی رہی۔ مجھے اس بیان پر شک نہیں ہوا کیونکہ مولف تو میرے سامنے تندرست و توانا بیٹھا تھا جبکہ شریف مکہ کے خاندان کو اس بے حرمتی پر اللہ تعالیٰ نے عبرتناک سزا دی۔ وہ خود تو سعودیوں سے شکست کھا کر جلا وطنی کی موت قبرص میں مرا۔ ایک بیٹا عراق میں حادثہ کا شکار ہوا۔ دوسرے کو بغداد ہی میں عبد الکریم قاسم نے خاندان سمیت قتل کیا اور تیسرا اردن کا شاہ عبد اللہ بیت المقدس میں قتل ہوا۔ اب اس شریف مکہ کی باقیات میں صرف نوجوان عبد اللہ بچا ہے جو آج کل اردن کا بادشاہ ہے۔

بہرحال مولف کا بیان ہے کہ اس کے بعد کرنل لارنس نے پیر کرم شاہ کے نام سے افغانستان میں شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرائی جبکہ آفیشل ریکارڈ کے مطابق جنگ کے بعد شہرت سے تنگ آ کر کرنل لارنس کی درخواست پر اسے کراچی میں ایئر فورس میں ROSS کے نام سے سپاہی بھرتی کر لیا گیا۔ بعد میں وہ SHAW کے ذو معنی نام سے کراچی ہی میں آرمی میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے آج کل پاکستان کے اخباروں میں آیا ہے کہ نیلام گھر والے طارق عزیز کے مطابق کرنل لارنس نے شاہ کے نام سے نیڈوز ہوٹل لاہور کے مالک کی بیٹی مس نیڈو سے شادی کی تھی جس سے فاروق عبد اللہ پیدا ہوا۔ مس نیڈو بعد میں سری نگر میں اکبر جہاں کے نام سے شیخ عبد اللہ کی بیوی بنی اور حال ہی میں سری نگر میں ۸۴ سال کی عمر میں فوت ہوئی۔ تاریخی لحاظ سے نیڈو عرف اکبر جہاں کی شادی کرنل لارنس سے ممکن ہے کیونکہ کرنل ایڈورڈ تھامس لارنس عرف SHAW یا شاہ ۱۹۳۵ء میں کراچی موٹر سائیکل حادثہ میں مرا۔ اس وقت اس کی عمر ۴۷ سال اور مس نیڈو کی عمر ۱۹ سال تھی۔ دوسری طرف علم الانساب کے ماہرین کی رائے میں فاروق عبد اللہ کی شکل شیخ عبد اللہ سے بالکل نہیں ملتی جبکہ وہ کرنل لارنس کی صحیح کاربن کاپی یا ماڈرن اصطلاح میں ہوبہو "کلون" لگتا ہے۔

اب ہم ترکی میں سیکولر راج کی "برکتوں" کی طرف آتے ہیں۔ جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست کی وجہ سے خلافت اسلامیہ خطرہ میں پڑ گئی تو برصغیر کے مسلمانوں نے خلافت کو بچانے کے لیے ایک ہمہ گیر تحریک شروع کی جس کی عام مقبولیت کو دیکھ کر اسلام دشمن ہندو لیڈر مسٹر گاندھی، پنڈت مدن موہن مالویہ اور بدنام زمانہ سوامی شردھانند بھی خلافت موومنٹ میں شامل ہو گئے۔ دوسری طرف جب تحریک اپنے عروج پر پہنچی تو اچانک ہی مصطفیٰ کمال نے خلیفہ عبد المجید کو معزول کرتے ہوئے خلافت اسلامیہ کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ سیکولر حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ہم ان "اصلاحات" کا مختصر سا ذکر کریں گے جن کو مصطفیٰ کمال نے سیکولر ازم کے نام سے ترکی میں نافذ کیا اور جن کو یہاں پاکستان میں ایوب خان، بھٹو اور اب اصغر خان نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیکولر ازم نافذ کرنے کے لیے مصطفیٰ کمال نے جو سیاسی پارٹی قائم کی تھی اس کا نام بھی پیپلز پارٹی (خلق فرقہ سی) ہی رکھا تھا۔ اب ہم ان "اصلاحات" کو نمبروار بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ترکی قوم کی ترقی کے لیے یورپی تہذیب اپنائی جائے ۲۔ نئے جمہوری آئین میں جہاں اسلام کو ترکی کا سرکاری مذہب قرار دیا ہے اس سے یہ شق اب خارج کر دی گئی ۳۔ دینی مدرسے بند کر دیے گئے ۴۔ عام سکولوں میں مذہبی تعلیم کی ممانعت کر دی ۵۔ اسلامی قوانین منسوخ کر کے نئے رومن طرز کے قوانین نافذ کر دیے ۶۔ عورتوں کے لیے اسلامی پردہ کی ممانعت کر دی گئی ۷۔ حکومت کے لیے لازمی کر دیا کہ عورتوں مردوں کے مشترکہ کلبوں اور اجتماعات کی ترغیب دے ۸۔ سب لوگوں کو یورپی لباس پہننے اور سر ننگا رکھنے کی ہدایت کر دی گئی ۹۔ فیض ٹوپی (نوابزادہ نصراللہ والی) پہننا ممنوع قرار دیا ۱۰۔ بزرگوں کے مزاروں پر حاضری ممنوع قرار دی ۱۱۔ تکیوں اور صوفیانہ حلقوں کو بند کر کے پیری مریدی کو ممنوع قرار دیا ۱۲۔ کسی نماز، تہوار، عید وغیرہ قومی رسم پر مخصوص لباس پہننا ممنوع قرار دیا ۱۳۔ ہجری کیلنڈر منسوخ کر کے اکیلے عیسوی کیلنڈر کو نافذ کیا ۱۴ جمعہ کی بجائے اتوار کی چھٹی رائج کی ۱۵۔ قرآن مجید، اذان، نماز صرف ترکی زبان میں پڑھنے کا

حکم دیا ۱۶۔ تاریخ اسلام میں ترکوں کے مقام کو کم کرنے کے لیے ترکی قوم کی نئی تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور ہدایت دی کہ سلطان عثمان سے شروع کرنے کی بجائے قدیم زمانہ سے شروع کر کے عثمانی دور کی اہمیت کو کم کیا جائے ۱۷۔ قومی ترقی کے لیے بیرونی قرضہ کو لازمی اور بے ضرر قرار دیا ۱۸۔ رسم الخط کو عربی سے رومن حروف میں نافذ کر دیا۔

تمام بین الاقوامی مبصرین متفق ہیں کہ مصطفیٰ کمال کی نام نہاد اصلاحات میں سب سے زیادہ قومی نقصان رسم الخط کی تبدیلی نے دیا کیونکہ اس طرح ساری قوم کو اپنے تاریخی اور کلچرل ورثہ سے محروم کر دیا گیا۔ واضح رہے کہ ایوب خان بھی رسم الخط کو رومن حروف میں تبدیل کرنے کے لیے بڑی سنجیدگی سے سوچ رہے تھے لیکن ان کی حکومت زیادہ دیر وفا نہ کر سکی۔ قارئین کو علم ہوگا کہ ان نام نہاد اصلاحات کے نتیجہ میں مصطفیٰ کمال نے حج پر پابندی لگا دی تھی جو کہ بعد میں عدنان مینڈرس کی حکومت کے دوران اٹھائی گئی۔ استنبول میں چند ایک مسجدوں کو چھوڑ کر باقی سب پر تالہ بندی کر دی تھی اور سب سے بڑی جامعہ آیاصوفیہ کو اور بزرگوں کے اہم مزاروں کو جن میں قونیہ شریف میں حضرت مولانا رومؒ اور ان کے مرشد شمس تبریزؒ کے مزار بھی شامل تھے ان کو عجائب گھر بنا دیا تھا اور یہ تمام نام نہاد سیکولر ازم کی اصلاحات قومی ترقی کے نام پر نافذ کی گئی تھیں۔ آج کل بے نظیر اور اصغر خان بھی قومی ترقی ہی کے نام پر پاکستان میں سیکولر ازم نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ جاپان اور چین کے علاوہ مشرقی ایشیا کے بہت سارے ممالک نے اپنی زبان کلچر اور تاریخ کو سینے سے لگائے ہوئے بھی ترقی کے میدان میں یورپ کو جا لیا ہے تو پھر ہم ذرا غور سے دیکھتے ہیں کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت اسلامیہ کو ختم کرنے کے بعد مصطفیٰ کمال کے سیکولر ازم نے ترکی کو کیا ترقی دی ہے۔ راقم کو ۱۹۶۹ء میں ترکی کا تفصیلی دورہ کرنے کا موقع ملا جبکہ سیکولر ازم انقلاب کی تقریباً نصف صدی گزر چکی تھی۔ مجھے وہاں کوئی قابل ذکر ترقی نظر نہیں آئی۔ کوئی قابل ذکر صنعتی شہر یا کوئی بڑا انڈسٹریل کمپلیکس نظر نہیں آیا۔ بڑی بڑی گرینڈ ٹرنک سڑکیں بھی Dirt Road یعنی کچی تھیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ روس ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے صرف پچیس سال بعد اتنا ترقی کر چکا تھا کہ اس نے اپنے ہی ملک میں تیار کردہ جہازوں، ٹینکوں اور توپوں سے جرمنی جیسے سپر صنعتی ملک کو عبرتناک شکست دی تھی۔ البتہ جس بات نے مجھے بہت متاثر کیا وہ ترکوں کی ہم پاکستانیوں سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ سرحد شام پر پہلی چوکی اور بستی کا نام اتفاق سے ریحانہ تھا جو کہ صدر ایوب خان کے آبائی گاؤں کا نام بھی ہے۔ کسٹم حکام نے پاکستانی پاسپورٹ دیکھتے ہی ہمیں بغیر چیکنگ جانے دیا۔ دیہات، شہر اور بازار جہاں بھی ہم گئے لوگ بڑی محبت سے پیش آئے، وجہ یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں حملہ آور برطانوی فوج کے بہت سارے ہندوستانی مسلمان فوجی بھاگ کر ترکوں سے مل گئے تھے اور کئی ایک دہلی میں بھی گئے ہیں۔ پھر برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی کو امدادی چندہ دیا۔ میڈیکل مشن بھیجے اور آخر میں خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے لیے ہمہ گیر تحریک چلائی تو ان سب کی وجہ سے ترک عوام پاکستانیوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال کا سیکولر ازم ترکوں کے دل سے اسلام کے لیے محبت مٹا نہیں سکا اور اب بھی سیکولر ازم صرف حکومتی ایوانوں میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں ایک خاتون ممبر اسمبلی کو سر ڈھانپنے کے جرم پر اسمبلی سے نکال دیا گیا تھا اور پھر چند ماہ BBC نے بتایا کہ ترکی فوج میں اسلامی نظریہ کی بیخ کنی پروگرام کے ماتحت ۵۹ افسروں کو محض صوم و صلاۃ کا پابند ہونے کے جرم میں فوج سے نکال دیا گیا۔ واضح رہے کہ ترک عوام کے دل ہمیشہ کی طرح اب بھی اسلام کے لیے دھڑکتے ہیں اور اسی لیے میں ترک عوام مصطفیٰ کمال سے ایک گونہ نفرت محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک گاؤں کے دیہہ خدا نے ہمیں بتایا کہ مصطفیٰ کمال نے بس یہی کمال کیا کہ ہماری عورتوں کو بے پردہ و نیم لباس کر دیا۔ اتاترک کے مزار پر ٹورسٹ گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ یہ مسلمان نہیں تھا اس لیے اسے کعبہ رو نہیں دفنایا گیا۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ ہمیں وہاں سمتوں کا ادراک نہیں تھا۔ قونیہ شریف میں حضرت مولانا رومؒ کے مزار کا عجائب گھر ابھی کھلا نہیں تھا اس لیے ہم وقتی طور پر سامنے ٹورسٹ آفس چلے گئے۔ مینیجر کی کرسی کے سامنے اتاترک کی تصویر آویزاں تھی جیسے ہمارے ہاں دفتروں میں قائد اعظم کی تصویر سجانے کا رواج ہے۔ مینیجر بطور خاص ہمیں تصویر کے قریب لے گیا اور کہا "حذا کافر" یعنی یہ شخص کافر تھا۔ ہم نے ۱۹۶۹ء میں جو کچھ دیکھا وہ من و عن قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے اگر کسی نے بعد کے دور میں ترکی کا مختلف روپ دیکھا ہو تو اپنے تاثرات قارئین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال کا سیکولر ازم ترک عوام کے دلوں سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے محبت نہیں نکال سکا اور دوسری طرف اپنے ملک میں کوئی نمایاں مادی ترقی بھی نہیں لا سکا۔ ۱۹۶۹ء میں بلکہ اب بھی پاکستان کی طرح لاکھوں کی تعداد میں مزدور برآمد کر کے روٹی پانی چلا رہا ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن کو اپنانے کی کوشش کے باوجود یورپی اقوام یا حالیہ یورپی یونین میں ترکی کے لیے برابری کی سطح پر قبولیت حاصل نہیں کی جا سکی۔ دوسری طرف خلافت اسلامیہ کو ختم کر کے ترکی نے عالم اسلام میں اپنی مرکزیت اور لیڈر شپ کو خود ہی کھو دیا اور بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو ایک محترم و مکرم مرکز سے محروم کر کے اتنا بے اثر کر دیا ہے کہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی ہونے کے باوجود آج مسلمان اقوام متحدہ میں ایک سیکورٹی کونسل سیٹ نہیں حاصل کر سکتے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

(بہ شکریہ نوائے وقت)

بحث و نظر

شہزادہ چارلس

دیرپا ترقی، فطرت کے ساتھ ساتھ

گزشتہ ۴۰ برس سے بی بی سی اپنے ڈائریکٹرز رینتھ (Reith) کی یاد میں اہم موضوعات پر رینتھ لیکچر کا اہتمام کر رہی ہے۔ اس سال دیرپا ترقی (Sustained Development) کے موضوع پر چھ خطبے دیے گئے۔ پانچ نامور سائنس دانوں کے بعد آخری خطبہ پرنس چارلس نے دیا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

دنیا بھر میں لاکھوں سننے والوں کی مانند میں بھی "دیرپا ترقی" کے بارے میں پانچ انتہائی ممتاز مقررین کی امیدوں، خدشات اور خیالات سے مستفید ہوا ہوں۔ یہ سب خیالات ان مقررین نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔ پانچوں تقاریر انتہائی خیال انگیز اور سوچ و فکر کی دنیا کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں۔ کسی نے زیر بحث موضوع کے ایک پہلو پر زیادہ زور دیا اور کسی نے دوسرے پر، تاہم ان کے مابین کئی ایک امور پر اتفاق رائے بھی موجود ہے۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دیرپا ترقی، بلند مقاصد کی خاطر ذاتی مفاد کا معاملہ ہے۔ دو مقررین نے تو اظہار خیال کے دوران اس اصطلاح کو استعمال کیا، جب کہ میں نہیں سمجھتا کہ بقیہ تین کو اس سے کوئی اختلاف تھا۔ خود میں بھی اس خیال کے ساتھ متفق ہوں۔

ذاتی مفاد ہم سب کے اندر ایک طاقت ور جذبے اور محرک کے طور پر کار فرما رہتا ہے۔ اگر ہم کسی طرح اپنے آپ کو اس بات پر قائل کر لیں کہ دیرپا ترقی ہمارے اپنے مفاد میں ہے تو ہم اس کے حصول کی جانب پہلا اہم قدم اٹھالیں گے۔

لیکن ذاتی مفاد کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ یہ باہم متقابل صورتوں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ سب صحیح منزل کی جانب لے جانے والی بھی ہوں، نہ ان سب میں یہ امکان ہی پایا جاتا ہے کہ آنے والی نسلوں کی کئی جہتوں پر مشتمل ضروریات اور تقاضوں سے پوری طرح عہدہ برا ہو سکیں۔ لہٰذا مجھے یقین ہے کہ دیرپا ترقی کی طویل شاہراہ پر گامزن رہنے کے لیے ہمیں جن مشکلات کا سامنا ہے، ان سے صحیح معنوں میں نمٹنے کے جذبے کو اپنے اندر بیدار کرنے کے لیے کسی تاخیر کے بغیر زیادہ گہرائی میں اتر کر ایک اخلاقی نصب العین کو اختیار کرنا ہوگا۔ اگرچہ اس دور میں انسانی زندگی کی روحانی جہتوں کے بارے میں بات کرنا فیشن کے بہت زیادہ خلاف ہوگیا ہے، لیکن آج میں یہی کرنا چاہتا ہوں۔

یہ تصور کہ بنی نوع انسان اور خالق کائنات کے مابین روز اول سے ایک مقدس عہد چلا آرہا ہے، جس کے تحت ہم انسانوں کو روئے ارض پر قیادت کے مقام پر فائز کیا گیا ہے، تاریخ کے ہر دور میں بیش تر مذاہب اور روحانی افکار کا اہم باب رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی، جن کے عقائد میں خالق کا کوئی وجود نہیں ملتا، اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر یہی موقف اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یہ تو تھوڑے عرصے کی بات ہے کہ سائنسی عقلیات کے دھارے نے اس رہنما اصول کو اٹھا کر دور پھینک دیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمیں دیرپا ترقی واقعی حاصل کرنا ہے تو پہلے عالم فطرت کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں روحانیت کے احساس کی بازیافت کرنا ہوگی اور اس کی اہمیت کو دوبارہ تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر ہم ان باتوں کو ضعیف الاعتقادی پر مبنی یا خلاف عقل قرار دینے کی روش پر قائم رہیں گے اور اپنے لیے مقدس نہیں جانیں گے تو پھر اس کائنات کی ہمارے لیے اس سے زیادہ کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ حیات انسانی کے لیے امکانی طور پر دیرپا اور تباہ کن نتائج سے بھرپور ایک بہت بڑی تجربہ گاہ ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ روحانیت کے صحیح ادراک سے ہمیں یہ تسلیم کرنے میں مدد ملے گی کہ عالم فطرت کے اندر پایا جانے والا حسن توازن، نظم اور ہم آہنگی سب مل کر ہمارے عزائم کو ان حدود سے آشنا کرتے ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے دیرپا ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہا جا سکتا ہے۔ چند معاملات ایسے ہیں جن میں سائنسی عقلیات کی سطح پر بھی حدود فطرت سے آگاہ ہوا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ دامن کوہ پر یک دم بہت زیادہ بھیڑوں کو گھاس چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دینا، آخر کار بھیڑوں اور دامن کوہ میں سے کسی ایک یا دونوں کے لیے معکوس نتائج کا باعث ہو سکتا ہے۔ یا جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ جراثیم کش اور انٹی بائیوٹک ادویات کی کثرت استعمال سے قوت مدافعت کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب تو ہمیں کرہ ارض کی فضاؤں میں ضرورت سے زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرنے کے مکمل اور ہولناک نتائج کا شعور بھی حاصل ہونا شروع ہوگیا ہے۔ تاہم وہ اقدامات جو حدود فطرت کی پامالی سے جنم لینے والے نقصانات کے تدارک کے لیے کیے جا رہے ہیں، دیرپا نتائج کے حصول کے لیے ناکافی ثابت ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود ابھی تک بہت

سے حلقے یہ رائے رکھتے ہیں کہ چونکہ پودوں اور جانوروں میں مصنوعی طریقوں کے ساتھ حیاتیاتی تبدیلیاں لانے کے نقصانات ٹھوس سائنسی سطح پر سامنے نہیں آئے لہٰذا ایسے کاموں کو جاری رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس طرح کے اور ایسے ہی امکانی طور پر دیگر نقصان دہ حالات میں محتاط روش اختیار کرنے کو بے پناہ عوامی حمایت حاصل ہے لیکن حکومتی سطح پر مخالفت کا سامنا ہے۔ شاید اس لیے کہ ایسے کسی امکان کو تسلیم کر لینا کمزوری کی علامت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی خواہش تصور کیا جائے گا۔ اس کے برعکس مجھے اس بات کا یقین ہے کہ بظاہر یہ ہماری داخلی قوت اور عقل و بصیرت کا مظہر ہوگا۔

بظاہر اس امر کی سائنسی شہادت کے باوجود کہ ہم اپنے ماحولیات کو نقصان پہنچا رہے ہیں، ہم صورت حال کی اصلاح کے لیے کچھ زیادہ نہیں کر رہے، لیکن جب ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت بھی نہ ہو تو ظاہر ہے خطرات کی موجودگی کے باوجود ہم سے کچھ نہ ہو پائے گا۔ اس طرز عمل کی ایک وجہ یہ غالب رجحان بھی ہے جو حیات انسانی سمیت پورے عالم فطرت کو ایک میکانکی عمل سے زیادہ کا درجہ نہیں دیتا ہے۔ اگرچہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں فطری الٰہیات کے ماہرین مثلاً تھامس مارگن (Thomas Morgan) نے عالم فطرت کے کامل اتحاد، نظم، بصیرت اور ڈیزائن کی جانب توجہ دلائی تھی، لیکن برٹرینڈ رسل جیسے سائنس دانوں نے اس پورے تصور ہی کو نامعقول کہہ کر مسترد کر دیا۔ رسل نے لکھا:

"میرے خیال میں یہ کائنات منتشر اجزا کا مجموعہ ہے جن میں بغیر کسی تسلسل، ہم آہنگی یا نظم کے اتھل پتھل جاری ہے۔" سر جولین ہکسلے نے Creation -- A Modern Synthesis میں لکھا ہے، "جدید سائنس کو نظریہ تخلیق یا خدائی رہنمائی کو مسترد کر دینا چاہیے۔" لیکن آخر کیوں؟ --- جیسا کہ برسٹل یونیورسٹی کے پروفیسر ایلن لٹن نے تحریر کیا ہے، "نظریہ ارتقاء انسانی ذہن کا وضع کردہ وہ تصور ہے جس میں کرہ ارض پر زندگی کے وجود میں آنے اور تسلسل کے ساتھ قائم رہنے کے عمل کی توجیہ کسی خالق کے بغیر پیش کی گئی ہے۔"

کائنات میں کسی رہنما ہستی کو تسلیم کرنے سے ہمارا انکار یا اس میں کوتاہی کی وجہ سے عالم فطرت ہمارے لیے ایسا نظام ہوگیا ہے جس میں سہولت کی خاطر تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں، یا ایک ایسی جھنجٹ ہے جس سے بچنے کے لیے تدابیر کی جائیں اور جس میں رونما ہونے والے واقعات کا رخ ٹیکنالوجی اور انسان علم کی مدد سے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیں۔

فرٹز شمچر (Firtz Schamacher) نے اس نقطہ نظر میں پنہاں خطرات کا ادراک کر کے ہی یہ کہا تھا کہ "سائنس دو طرح کی ہے: ایک تصرفات کی سائنس اور دوسری فہم و آگہی کی سائنس"۔ ٹیکنالوجی کے اس عہد میں ہم اس حقیقت کو بڑی آسانی کے ساتھ فراموش کر چکے ہیں کہ بنی نوع انسان عالم فطرت کا حصہ ہے نہ کہ اس سے الگ کوئی چیز۔ اسی لیے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم جو کچھ بھی کریں وہ جوہر فطرت (of Nature Gain) کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ جیسا کہ ماہر اقتصادیات ہرمن ڈلی (Herman Daly) نے نشاندہی کی ہے کہ عالم فطرت ہی وہ ماحول ہے جو معیشت کو حدود میں رکھتا ہے، اسے برقرار رکھتا ہے اور اس کی ضروریات پورا کرتا ہے، نہ کہ اس کے مخالف۔

ان میں سے آپ کے نزدیک کون سی دلیل غالب رہے گی؟ ایک زندہ واحد دنیا، یا ایسی دنیا جو منتشر اجزا سے محض اتفاقاً وجود میں آگئی ہے اور اسی وجہ سے ترقی کے نام پر اس کا رخ جدھر چاہے موڑ دیا جائے تو وہ جائز ہوگا۔ میرے نزدیک اس سوال پر دیرپا ترقی کا حقیقی انحصار ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم از سر نو اپنے اندر عالم فطرت کے لیے احترام کے جذبات پیدا کریں، قطع نظر اس سے کہ یہ ہمیں فائدہ مند نظر آتا ہے یا نہیں۔ فلپ شیراڈ (Philip Sherrad) کے الفاظ میں "ہمیں خدا، انسان اور کائنات کے درمیان باہمی تعلق کے بارے میں زیادہ آگاہ ہونا چاہیے۔"

سب سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہمیں اس دانائی اور حکمت کا پورا احترام و لحاظ کرنا چاہیے جو عالم فطرت کے سارے نظام کے پس پردہ کار فرما ہے اور جو لاکھوں سال کے تجربات کی بھٹی میں کندن بنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم فطرت کے عمل کو سمجھنے کے لیے سائنس کا استعمال احتیاط سے کریں، نہ یہ کہ فطرت ہی کو بدل کر رکھ دیں، جیسا کہ جنیاتی انجینئری کے ذریعے حیاتیاتی ارتقا کے عمل کو ایک نیا روپ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ نظریہ کہ کائنات کے مختلف اجزا ضبط و توازن کے ایک پیچیدہ نظام کے ذریعے منسلک ہیں، بڑی آسانی سے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ اب یہ غیر متعلقہ بات ہے، خواہ اس نظام میں بگاڑ پیدا کر کے ہم خود کو خطرے میں ڈالتے ہوں۔ چنانچہ اس عہد میں جب ہمیں یہ سبق دیا جاتا ہے کہ سائنس کے پاس ہر چیز کا جواب موجود ہے، تو جوہر فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر چلنے کا بھلا کیا امکان ہے؟

جوہر فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کی ایک مثال میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ جنیاتی انجینئری کے ذریعے فصلوں کو ترقی دینے کے لیے جو سرمایہ لگایا جا رہا ہے، اگر اس کا معمولی سا حصہ بھی زراعت کے اس روایتی نظام کو سمجھنے اور اسے مفید بنانے پر صرف کیا جائے جو آج تک وقت کی اہم تر آزمائش پر پورا اترا ہے، تو کہیں زیادہ بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اس بات کی تو بہت زیادہ شہادتیں سامنے آچکی ہیں کہ متنوع فصلوں کی کاشت میں زیادہ علم اور کم کیمیائی مرکبات کے استعمال سے کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب حقیقی طور پر قابل عمل طریقے ہیں، اگرچہ یہ ان طریقوں سے دور ہیں جو اس کلچر پر مبنی ہیں جس میں بڑے پیمانے پر تجارتی استحصال کو روا رکھا جا رہا ہے۔

ہمارے ممتاز ترین سائنس دانوں کو اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ ہماری دنیا میں بہت کچھ ہے جو ہم ابھی نہیں جانتے۔ ہمیں ایسی بہت سی مخلوقات کے بارے میں بھی علم نہیں جو اسی کائنات میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ جیسا کہ برطانیہ کے شاہی ماہر فلکیات سرمارٹن ریس کا کہنا ہے کہ "اشیا کی پیچیدگی، نہ کہ ان کا سائز، انہیں سمجھنے میں مشکلات پیدا کرتی ہے۔" انہوں نے یہ بات ایسی مثال سے سمجھائی ہے جسے صرف ایک ماہر فلکیات ہی پیش کر سکتا ہے۔ سرمارٹن کا کہنا ہے کہ "ایک تتلی سے آگہی حاصل کرنا نظام کائنات کو سمجھنے سے زیادہ بڑا حوصلہ شکن علمی چیلنج ہے۔"

دوسرے سائنس دانوں نے، مثلاً" ریچل کارسن (Rachel Carson) نے بڑی وضاحت سے ہمیں یاد دلایا: "ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ گھاس کا ایک پتا کس طرح بنائیں؟" جب کہ سینٹ ماتھیو (St.Mathew) نے یہ اپنی بصیرت کی بنا پر کہا تھا: "سلیمان بھی اپنی تمام تر جاہ و حشمت کے ساتھ میدانوں میں کھلنے والے گل سوسن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔"

جب اتنی نامعلوم باتوں کا سامنا ہو تو نظام فطرت میں اپنے مقام کے بارے میں عجز، تحیر اور رعب کا احساس نہ ہونا مشکل ہے۔ یہ احساس قلب انسانی کی اس دانش سے جنم لیتا ہے جو ہم کو بعض وقت ہمارے باوجود ہم کو بتاتی ہے کہ ہم زندگی کے اسرار میں گرفتار ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب پالیں۔ پھر شاید اس کی ضرورت بھی نہیں کہ ہر سوال کا جواب ہمیں لازماً" ملے، قبل اس کے کہ ہم تعین کریں کہ خاص خاص حالات میں ہمیں کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

اسی حقیقت کو سترھویں صدی میں بلیس پاسکل (Blaise Pascal) نے یوں بیان کیا تھا: "یہ انسانی قلب ہے جو وجود خداوندی سے آشنائی کے تجربے سے گزرتا ہے نہ کہ عقل۔" تو کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم میں سے ہر ایک کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں وہ وجدانی آگہی پائی جاتی ہے جس سے، اگر ہم اسے اجازت دیں، یہ قابل اعتماد رہنمائی ملے گی کہ ہماری سرگرمیاں کرہ ارض اور ضروریات حیات کے طویل المیعاد مفاد میں ہیں یا نہیں؟

یہ آگہی، یہ قلب کی دانش، چاہے پتوں کی سرسراہٹ کی طرح دور دراز سر کی مدھم یاد سے زیادہ نہ ہو لیکن ہمیں یہ یاد دلانے کے لیے کافی ہے کہ ہماری یہ زمین بڑی منفرد ہے اور اس کی دیکھ بھال ہمارا فرض ہے۔ دانش، ہمدردی اور رحم دلی ایسے اوصاف ہیں جن کا تجرباتی دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ تاہم روایتی بصیرت یہ سوال ضرور اٹھاتی ہے۔ کیا ان اوصاف کو اپنائے بغیر ہم واقعی انسان ہیں؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ سقراط سے جب دانش کی تعریف کرنے کو کہا گیا تو اس نے اپنا نتیجہ فکر یہ پیش کیا: "جب آپ کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔"

میرے یہ کہنے کا کہ دیرپا ترقی کے حصول کے لیے ہمیں دل سے اٹھنے والی عقل سلیم کی جانب زیادہ متوجہ ہونا چاہیے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سائنسی تحقیق سے حاصل ہونے والی معلومات ہمارے لیے بنیادی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ میرے نزدیک، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ قلب سے اٹھنے والی فطری بصیرت اور سائنسی تجزیے پر مبنی عقلی بصیرت میں توازن پیدا کیا جائے۔ ان دونوں میں سے اگر ایک کو نظر انداز کر کے محض دوسری پر انحصار کیا گیا تو کچھ حاصل نہیں ہو گا لہٰذا اپنے قلب و ذہن اور فطرت کے وجدانی اور عقلی، دونوں حصوں کو یکجا کر کے ہی اس مقدس عہد کا حق ادا کر سکیں گے جو خالق کائنات یا رب (Sustainer) نے (جیسا کہ عہد قدیم میں خالق کو کہا جاتا تھا) ہمیں ودیعت کیا ہے۔ جیسا کہ گروہارلم برنڈلینڈ (Gro Harlem Brundiland) نے ہمیں توجہ دلائی کہ دیرپا ترقی کا تعلق محض عالم فطرت کے ساتھ نہیں بلکہ انسانوں کے ساتھ بھی ہے۔ اس اصول کا اطلاق ہر طرح کی صورت حال پر ہوتا ہے، خواہ ہم ان لاتعداد لوگوں پر نظر دوڑائیں جنہیں مناسب غذا اور صاف پانی میسر نہیں یا وہ جو غربت زدہ ہیں اور بے روزگاری کا شکار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عالمگیریت اپنے جلو میں فوائد لے کر آئی ہے لیکن خطرات بھی لائی ہے۔ سر جان براؤن نے اپنے "نظریہ مربوط معیشت" یعنی ایسی معیشت جو اس سماجی اور ماحولیاتی حوالے کو تسلیم کرتی ہے جس کے اندر وہ روبہ عمل ہوتی ہے ... میں جس انکسار اور انسانیت کا اظہار کیا ہے، اس کے باوجود، یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ غریب ترین اور کمزور ترین عناصر ترقی سے نہ صرف بہت کم فائدہ اٹھائیں گے بلکہ اس سے بھی بدتر صورت حال سے دوچار ہو جائیں گے یعنی اپنے روزگار اور کلچر دونوں سے محروم ہو جائیں گے۔

لہٰذا، اگر ہم دیرپا ترقی کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ آگے کی جانب بڑھنے کے لیے قدم اٹھائیں تو تاریخ کے سبق اہم ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ ایک ایسے عہد میں جب اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت تک کسی بھی شے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جب تک اس پر "ماڈرن" ہونے کی مہر نہ لگی ہو۔ ماضی کے سبق کا تذکرہ کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ کیا یہ سبق ایک ایسے عہد میں سیکھے اور سکھائے جا سکتے ہیں جب علم کا اس طرح کا ذخیرہ منتقل کرنا "ترقی" کی راہ میں اکثر رکاوٹ گردانا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہماری آنے والی نسلوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم میں ہمارے حاشیہ خیال سے بھی زیادہ مہارت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن کیا ان کے اندر وہ بصیرت اور ضبط نفس بھی پیدا ہو گا جو اس مہارت کو، ہماری کامیابیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے، حکمت کے ساتھ استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ نسلیں اس وقت تک اس سے محروم رہیں گی، جب تک زیادہ کوشش کے ساتھ تعلیم کے لیے وہ نقطہ نظر وضع نہیں کر لیا جاتا جس میں وجدان اور

تعقل کا توازن پایا جاتا ہو۔ اس کے بغیر دریا ترقی کا خواب پریشان ہو کر رہ جائے گا۔ یہ محض ایسا بے معنی کھوکھلا منتر ہو جائے گا' جسے مریضانہ طور پر بار بار پڑھا جائے تاکہ ہم اپنی حالت بہتر محسوس کریں۔

یقیناً ہماری سب سے بڑی ضرورت لوگوں کو تعلیم دینے میں ایسے توازن کو پیدا کرنا ہے جس میں ماضی کی عملی اور وجدانی بصیرت کو آج کی ٹیکنالوجی اور علوم کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا جائے کہ ایسی تعلیم کو حاصل کرنے والا انسان مرئی اور غیر مرئی دونوں دنیاؤں کے شعور سے فیض یاب ہو جائے اور اس کی آگہی پورے کون و مکان کو اپنے احاطہ علم میں لینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔

مستقبل میں ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اس حقیقت سے آشنا ہوں کہ دریا ترقی محض' ٹیکنالوجی کے مناسب اطلاق کا نام نہیں ہے۔ نہ اس چیز کا نام دریا ترقی ہے کہ انسانوں کا نقشہ بدل کر رکھ دیا جائے اور نہ اس کو ترقی کہا جا سکتا ہے کہ حیاتیاتی انجینئری کے ذریعے عالم فطرت کو عالمگیر صنعتی ضروریات کے تحت بدلا جائے۔ بلکہ کرنے کو کام یہ ہے کہ ہم عالم فطرت کے ساتھ دوبارہ منسلک ہو جائیں اور اس کی دیکھ بھال کا وہ گہرا فہم حاصل کریں جس کا طویل المیعاد بنیادوں پر ہمارا قائدانہ کردار تقاضا کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے وسیع تر ماحول کو تباہی سے بچانے کے لیے ہمیں سیکولرازم اور روایتی مذہب کے درمیان تخریبی شگاف پر پل تعمیر کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے مادی اور روحانی دنیاؤں کی ایسی وحدت اور نظم کو دوبارہ دریافت کرنا ہوگا جیسا مربوط طب کی نامیاتی زراعت میں یا کسی عمارت کی تعمیر میں ہوتا ہے۔

میں وہ دن نہیں دیکھنا چاہتا جب ہمارے پوتے پوتیاں اور نواسے اٹھ کر ہم سے یہ سوال کریں کہ ہم نے اپنے قلوب کی بصیرت اور عقلی تجزیے کی دانش کی آواز کو کیوں نہیں سنا؟ ہم نے زندگی کے تنوع اور روایتی انسانی آبادیوں کے تحفظ پر زیادہ توجہ کیوں نہ دی؟ یا خلق کی رہنمائی کے حوالے سے اپنے کردار کے بارے میں زیادہ کھل کر کیوں نہیں سوچا؟

حیات انسانی کے بارے میں محتاط رویے کو اختیار کرنے یا اس کے اندر توازن حاصل کرنے کا کوئی شوقیہ متبادل نہیں۔ اگر دریا ترقی کا حصول مقصود ہے تو واحد راہ عمل یہی ہے۔

(بہ شکریہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور)

دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کو عبوری آئین میں شامل کرنے کے بارے میں

جنرل پرویز مشرف چیف ایگزیکٹو پاکستان

کا فیصلہ خوش آئند ہے اور ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مگر اسلامی دفعات پر عمل درآمد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دے کر ملک میں نافذ کرنا ضروری ہے اور یوم آزادی کے موقع پر ہم جنرل پرویز مشرف اور ان کے رفقاء سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے عملی اقدامات کریں اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو عملاً نافذ کر کے تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے شہداء اور مجاہدین کی جدوجہد اور قربانیوں کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کریں۔

منجانب: (مولانا) فداء الرحمٰن درخواستی' امیر پاکستان شریعت کونسل

جامعہ انوار القرآن 11-C-1 نارتھ کراچی۔

منو بھائی

پانی کا متوقع عالمی بحران اور استعماری منصوبے

یہ عالمی بینک کی پیشین گوئی نہیں دعویٰ ہے کہ آئندہ عالمگیر جنگ پانی کے تنازع پر ہوگی اور اگر خدانخواستہ اس میں ایٹمی اسلحہ استعمال ہوا تو یہ آخری انسانی جنگ بھی ثابت ہو سکتی ہے کہ جس کو یاد رکھنے والا بھی کوئی نہیں بچے گا۔

میرے فرخ سہیل گوئندی جیسے مہربانوں اور ای میلوں اور ویب سائٹوں کے سراغ رسانوں کے فراہم کردہ حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ کرہ ارض نہایت تیزی سے زندگی کے سب سے بڑے وسیلے یعنی تازہ پانی سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ مگر یہ پانی پیاسے انسانوں اور جانداروں کی پیاس نہیں بجھا رہا۔ انسانی مصیبتوں پر پلنے والے عالمی سرمایہ داری نظام کی بھوک مٹانے کے کام آرہا ہے اور ساتھ ہی بھوک بھڑکانے کا سامان بھی پیدا کر رہا ہے۔ اس نظام کی کوکھ سے جنم لینے والی ملٹی نیشنل کارپوریشنیں یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی ہیں کہ وہ وقت کچھ زیادہ دور نہیں ہوگا جب پینے کا پانی تیل سے بھی زیادہ قیمتی ہو جائے گا اور دریاؤں، جھیلوں، ندیوں اور نالوں کی نج کاری ہو جائے گی اور انہیں محض ملٹی نیشنل کمپنیاں ہی خرید سکیں گی اور پھر ضرورت مند ملکوں کے ہاتھ منہ مانگے داموں فروخت کریں گی اور لوگ دو گھونٹ پانی کے عوض اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابھی سے اس کی تیاریاں شروع کر دی ہیں جن کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔

یہ مفروضہ بالکل غلط ہے کہ دنیا میں پانی کے بے پناہ وسائل موجود ہیں۔ در حقیقت دنیا بھر کے آبی وسائل کا ایک فیصد حصے کا نصف تازہ پانی ہے جو انسانی استعمال میں آسکتا ہے۔ باقی پانی سمندروں کی تحویل میں، قطبین کے برف زاروں کے قبضے میں اور کوہستانی گلیشیروں کی قید میں ہے۔ استعمال شدہ پانی کی تجدید اور حیات تو صرف بارشوں کی مرہون منت ہے۔ مگر پانی کے استعمال کی رفتار اس کی تجدید کی رفتار سے کہیں زیادہ ہے۔ خاص طور پر پانی کے صنعتی استعمال کے بعد اس کے استعمال میں ہر بیس سال کے بعد دوگنا اضافہ ہو رہا ہے جو انسانی آبادی میں اضافے کی رفتار سے دو چند ہے۔

تازہ ترین معلومات کے مطابق اس زمین پر موجود نوے فیصد تازہ پانی گلوبل انڈسٹری، ہائی ٹیک مینو فیکچرنگ، کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور زرعی صنعتوں کے لیے زیادہ سے زیادہ خام مال فراہم کرنے والی مشینی کاشت میں استعمال ہو رہا ہے اور صرف ۱۰ فیصد تازہ پانی انسانی استعمال میں آرہا ہے۔ دنیا کے چھ ارب انسانوں میں سے ایک ارب بد نصیبوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ ۶۵ فیصد تازہ پانی صرف مشینی کاشت پی جاتی ہے جو چھوٹی، خود کفیل، روایتی زراعت کے مقابلے میں تین گنا زیادہ پانی استعمال کرتی ہے۔ ۲۵ فیصد تازہ پانی ہائی ٹیک اور کمپیوٹر انڈسٹری میں استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ سلیکان چپس کی تیاری میں بے پناہ صاف پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنا تازہ پانی سلیکان چپس کو پلایا جاتا ہے اتنا اس کرہ ارض پر بسنے والے چھ ارب انسانوں کو نہیں ملتا۔

کچھ عرصہ پہلے یہی باتیں بائیں بازو کے دانشوروں کے قلم سے نکل کر سامراجی حلقوں کو تکلیف پہنچاتی تھیں مگر اب وہی باتیں خود سامراجی یونیورسٹیوں کے پروفیسر لکھ رہے ہیں کہ جو صنعتی کثافت گلوبل وارمنگ کی صورت میں دنیا میں تباہی مچا رہی ہے وہی ہوس زر کرہ ارض کا پانی بھی نچوڑ رہی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ پانی کو صنعتی جنس بنانے والے صنعتی ممالک آئندہ ۲۵ سالوں میں پانی کے صنعتی استعمال میں دوگنا اضافہ کر دیں گے جبکہ دنیا کی دو تہائی آبادی پیاس کی شدت سے تڑپ رہی ہوگی اور اقوام غالب کی ملٹی نیشنل کارپوریشنیں دنیا بھر کے آبی وسائل کو "کمرشلائز" کرنے کے لیے ان پر قبضہ کر چکی ہوں گی اور انسانی مصائب کے ذریعے کھربوں ڈالر کمانے کا سوچ رہی ہوں گی جیسے کہ انہوں نے تیل کے بحران کے دنوں میں تیل استعمال کرنے کے علاوہ اس کی کمائی کو بھی استعمال کیا اور اب بھی کر رہی ہیں۔

امریکی کمپیوٹر ٹیکنالوجی محض سستی لیبر کی تلاش میں ہندوستان اور دیگر ایشیائی ملکوں کا رخ کر رہی ہے تاکہ اپنے منافعوں کی شرح برقرار رکھ سکے۔ اب اس کی کارپوریشنیں ایشیا کی ہائی ٹیک انڈسٹریز اور سلیکان ویلی کو پانی فراہم کرنے کا ٹھیکہ لینے کا پروگرام بھی بنا رہی ہیں کہ جیسے اور جہاں سے بھی کچھ نچوڑا جا سکتا ہے نچوڑ لیا جائے۔

چنانچہ بہت جلد چشم زمانہ کو یہ منظر دیکھنے کو ملے گا کہ شمالی امریکہ کی جھیلوں کا پانی بحر الکاہل سے ایک بہت بڑے سپر ٹینک کی صورت میں گزر رہا ہوگا اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑے غبارے میں جھیلوں کا پانی بھرا ہوا ہوگا جو ایشیا میں سلیکان چپس کی تیاری میں استعمال ہونے جا رہا ہوگا اور اس قدر مہنگا ہوگا کہ کمپیوٹر فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور خرید کر نہیں پی سکیں گے اور اپنے خشک ہوتے ہوئے جوہڑوں سے رجوع کریں گے۔

یہ باتیں مضحکہ خیز لگتی ہیں نا! مگر ان باتوں سے عالمی سرمایہ داری نظام کی ہوس زر جھلکتی ہے اور بتاتی ہے کہ اس نظام کے یہی ادارے اس

کی موت کو اور زیادہ قریب لا رہے ہیں۔

امریکنائزیشن عرف گلوبلائزیشن کے خلاف میرے بعض کالم پڑھ کر بائیں بازو کے اکثر سابق انقلابی اور حال "این جی او آئز" دوست یہ پھبتی کستے ہیں کہ اس میدان عرفات میں شیطانوں کو کنکریاں مارنے والے تم تنہا رہ گئے ہو مگر میرے خیال میں میرے ان انقلابی دوستوں نے ماسکو اور بیجنگ کو قبلہ بنا کر جو حماقت فرمائی تھی ویسی ہی غلطی انہوں نے یہ کی ہے کہ انقلابی سے اصلاحی بننے کے لیے بہت ہی غلط وقت چنا ہے کیونکہ جیسے ایک خاص حد عبور کر جانے والے گناہ گاروں کے لیے توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ویسے ہی تباہی کے کنارے پہنچ جانے والوں کے لیے اصلاح کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور مغربی سامراجی نظام بھی اب وہاں پہنچ چکا ہے اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ ہماری "این جی اوز" کے "ڈونرز" مغربی صنعتی ملکوں کے اپنے دانشوروں نے بھی وہی کچھ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے جو ساٹھ کی دہائی میں بائیں بازو کے دانشور لکھ کر زیر عتاب آجاتے تھے۔

یہ میں نہیں کہہ رہا خود مغربی دانشور کہہ رہے ہیں کہ مغربی صنعتی ملکوں نے گلوبلائزیشن کی آڑ میں دنیا بھر کی منڈیوں پر قبضہ جمانے کے لیے اپنی پیداواری قوت کو حد سے زیادہ بڑھاتے ہوئے کرہ ارض کو جس ظالمانہ طریقے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ میں لپیٹ کر گلوبل وارمنگ کے جہنم میں دھکیل دیا ہے اور پھر مشینی کاشت، مصنوعی کھاد، کیڑے مار دوائیوں کے زہر سے گرم زرعی ملکوں کی زرخیز زمینوں کو جس بے دردی سے بانجھ بنایا اسی ہوشناک طریقے سے پینے کے صاف اور تازہ پانی کو صنعتی استعمال میں لا کر کرہ ارض پر زندگی اور ہریالی کے مستقبل کو اور بھی زیادہ تاریک کر دیا ہے۔

دائیں بازو کے مغربی دانشور اور پروفیسر حضرات اب یہ بھی لکھتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں دریاؤں کے بند باندھنے، ڈیم تعمیر کرنے اور نہرے کھودنے کے ذریعے پانی کے قدرتی وسائل کو بری طرح متاثر کیا گیا ہے اور اب ہائی ٹیک مینو فیکچرنگ، گلوبل انڈسٹریز اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں تازہ پانی کے بے دریغ استعمال نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام اور سامراجیت کے اتصال سے پیدا ہونے والی اور گلوبلائزیشن کے گہوارے میں پلنے والی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے آئندہ ارادے عالمی سطح پر آبی وسائل پر قبضہ کرنے، ان کی اجارہ داریاں قائم کرنے، انہیں کمرشلائز کرنے اور ایک ملک کا پانی دوسرے ملکوں میں بیچنے اور اس کے ذریعے کھربوں ڈالر کمانے کے ہیں اور ان کے ان ارادوں پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ اور "ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن" (WTO) جو کہ (UNO) جیسا امریکہ کا "بغل بچہ" ہے پانی جیسی قدرتی نعمت کو صنعتی ملکوں کی دولت میں تبدیل کرنے کی راہ ہموار کرتے ہوئے پانی کو صنعتی اور تجارتی جنس قرار دے چکا ہے۔ چنانچہ اب اگر پاکستان کی حکومت چاہے تو غیر ملکی قرضے ادا کرنے کے لیے "لیسلے" کے ہاتھ دریائے سندھ بھی فروخت کر سکتی ہے۔ جس کے بعد "واپڈا" کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل ذوالفقار علی خان کو کالا باغ ڈیم کے لیے پانی مذکورہ ملٹی نیشنل کارپوریشن سے خریدنا پڑے گا یا پھر باران رحمت کی امید میں آسمان کی طرف دیکھنا پڑے گا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ کسی ملٹی نیشنل کارپوریشن نے بادلوں کا سودا نہ کر لیا ہو اور بادلوں کو حرکت میں لانے والی ہواؤں پر اجارہ داری قائم نہ کر لی ہو۔ اندیشہ ہے کہ اس وقت تک کوئی کارپوریشن سورج کی دھوپ پر بھی قبضہ کر چکی ہو گی چنانچہ پوری دنیا، ہٹہ مزدوروں سے لے کر "پاسکو" تک اور وزارت خوراک و زراعت سے واپڈا تک سب آسمانوں کی بجائے ان کارپوریشنوں کا منہ دیکھنے پر مجبور ہوگی جن کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے کہ وہ زمین پر خدا بن بیٹھے اور اپنے انجام کو آواز دی۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ دنیا بھر کے موجودہ آبی وسائل کے ایک فیصد حصے کا آدھا پانی انسانی استعمال کے قابل ہے۔ اس نصف فیصد صاف پانی اور تازہ پانی میں سے نوے فیصد دنیا کی بڑی صنعتوں اور مشینی کاشت میں استعمال ہوتا ہے اور صرف دس فیصد دنیا کے پانچ ارب انسانوں کے کام آتا ہے جبکہ ایک ارب لوگوں کو پینے کا صاف پانی نصیب نہیں ہوتا۔ اس وقت "سپر پاور" کے اپنے پانی کی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کے دریاؤں کا صرف دو فیصد پانی وہاں کے ۶۳۷۵ ڈیموں سے باہر رہ گیا ہے۔ سعودی عرب میں پینے کا جو پانی رہ گیا ہے وہ صرف پچاس سالوں کے لیے ہے۔ ۴۰۱۰ ڈیموں کے ملک ہندوستان میں لوگوں کو پینے کا پانی ان کی ۲۵ فیصد کمائی خرچ کرنے کے عوض ملتا ہے۔ اس وقت جنگل کی آگ کی زد میں آئے ہوئے امریکہ کے پچاس فیصد جھیلیں خشک ہو چکی ہیں۔ میکسیکو کے دریاؤں کا سارا پانی مشینی کاشت اور صنعتی پیاس بجھاتا ہے اور بچے کوکا کولا اور پیپسی پر گزارہ کرتے ہیں۔ زیر زمین پانی کے بہت زیادہ خارج ہو جانے کی وجہ سے بنکاک کا شہر زمین میں دھنس رہا ہے۔ انگلستان کے دریاؤں کی گہرائی ایک تہائی رہ گئی ہے۔

مغرب کے دائیں بازو کے دانشور تو یہی کہہ سکتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تسلیم کرو کہ پانی تمام مخلوق کی زندگی ہے۔ کرہ ارض کے تمام قدرتی وسائل اس پر بسنے والوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ قدرت کی نعمتوں کو دولت کمانے والی جنس نہیں بنایا جا سکتا۔ پانی، ہوا، بادل، دھوپ، چاندنی پر کسی کی اجارہ داری قائم نہیں ہو سکتی۔ منڈی کی معیشت سے زیادہ اہم ضرورت کی معیشت ہے مگر مغربی دانشور یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کے ان مطالبات پر کون غور کرے گا اور ان سے یہ بھی کوئی نہیں پوچھے گا کہ کیا یہی وہ باتیں نہیں تھیں جو کارل مارکس نے پچھلی صدی کے ایسے ہی موسم میں کہی تھیں اور ان پر عمل درآمد کا طریقہ بھی بتایا تھا کہ لوگوں کے مطالبات بھیک کی صورت میں نہیں مانے جاتے۔

(بہ شکریہ جنگ)

عالمی منظر

جنوبی افریقہ نے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کر دی

پریٹوریا (کے پی آئی) جنوبی افریقہ نے فلسطینی مملکت کے اعلان کے بارے میں فلسطینی اتھارٹی کے صدر یاسر عرفات کے منصوبے کی حمایت کر دی ہے۔ جنوبی افریقہ کے صدر تھابو نے جمعرات کے روز یہاں یاسر عرفات سے ملاقات میں کہا کہ اب فلسطین کی آزادی کے اقدام کی حمایت کرنے کا وقت آگیا ہے۔ مسٹر عرفات نے کہا کہ اسرائیل کے ساتھ امن کا سمجھوتہ ہو یا نہ ہو انہیں تیرہ ستمبر کو فلسطینی مملکت کا اعلان کرنے کا حق حاصل ہے۔ جنوبی افریقہ کے صدر نے یاسر عرفات کو یقین دلایا ہے کہ میرا ملک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کرے گا۔ یاسر عرفات نے مسٹر منڈیلا سے بھی ملاقات کی۔ منڈیلا نے کہا کہ گزشتہ سال اسرائیلی حکومت نے امن کی تجویز مسترد کر دی تھی جو میں نے پیش کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ مصر، فرانس، امریکہ، برطانیہ اور سعودی عرب کے رہنماؤں کو ٹیلی فون کریں گے اور ان پر زور دیں گے کہ وہ قیام امن کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے مربوط کوشش کریں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ اگست ۲۰۰۰ء)

کسووو کے جنگی مجرم

مترویشیا (اے این این) کوسووا کے سنگین جنگی جرائم میں ملوث تین سرب باشندے اقوام متحدہ کی تحویل سے فرار ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق ان تینوں ملزمان کو اقوام متحدہ کی امن فوج نے مسلمانوں کے قتل عام کے جرم میں گزشتہ سال کوسووا سے گرفتار کیا تھا۔ گزشتہ ایک مہینے سے بیمار ہونے کے باعث منقسم شہر مترویشیا کے سرب کنٹرول والے حصے کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھے اور ہسپتال کے اس حصے میں فوج کا سخت پہرا تھا۔ اقوام متحدہ کے ترجمان نے کہا کہ آئندہ جنگی جرائم میں ملوث افراد کو اس ہسپتال میں نہیں لایا جائے گا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ اگست ۲۰۰۰ء)

بھارتی حکومت اور حزب المجاہدین میں مذاکرات کا آغاز

سری نگر (اے ایف پی + رائٹر + اے پی) بھارتی حکومت اور حزب المجاہدین فائر بندی کے لیے سمجھوتہ کرنے پر رضامند ہوگئے ہیں اور اس ضمن میں چھ رکنی کمیٹی بنا دی گئی ہے جس کا اجلاس جلد سری نگر میں ہوگا۔ اس امر کا اظہار بھارت کے داخلہ سیکرٹری کمل پانڈے نے یہاں نہرو گیسٹ ہاؤس میں حزب المجاہدین کے رہنماؤں سے ملاقات کے بعد ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے حزب کے رہنماؤں کے ساتھ پانی ۷۰ منٹ کی بات چیت کو مثبت قرار دیا اور دیگر مجاہد گروپوں سے بھی کہا کہ وہ امن کے عمل میں شریک ہو جائیں۔ انہوں نے کہا کہ آج ہم نے امن کے عمل کی بنیاد کے لیے طریقہ کار طے کرنے سے اتفاق کیا ہے اور جو عناصر اس کی مخالفت کریں گے تنہا رہ جائیں گے۔ بھارتی سیکرٹری داخلہ نے کہا کہ مجاہدین کے ساتھ مذاکرات کے نتیجہ میں بنائی گئی کمیٹی ہم آہنگی اور تعاون کے جذبہ سے کام کرے گی اور جنگ بندی پر موثر عملدرآمد کے لیے طریقہ کار کو حتمی شکل دے گی۔ کمل پانڈے نے کہا اس وت پاکستان کا کوئی کردار نہیں ہے۔ انہوں نے کہا فریقین نے چھ چھ رکنی کمیٹیاں بنانے سے اتفاق کیا ہے۔ واضح رہے کہ بھارتی خارجہ سیکرٹری کے ساتھ مذاکرات سے چند گھنٹے قبل پاکستان میں حب المجاہدین کے ترجمان سلیم ہاشمی نے کہا تھا کہ اگر بھارت نے ۸ اگست کو شام ۵ بجے تک غیر مشروط سہ فریقی مذاکرات کے لیے کوئی اقدام نہ کیا تو جنگ بندی ختم کر دی جائے گی اور نتائج کی ذمہ داری بھارت پر عائد ہوگی۔

(روزنامہ جنگ ۴ اگست ۲۰۰۰ء)

انڈونیشیا میں مسلم مسیحی فسادات

جکارتہ (اے این این) انڈونیشیا میں عیسائی مسلم فسادات شدت اختیار کر گئے ہیں۔ تازہ فسادات میں ۲۸ افراد ہلاک اور درجنوں شدید زخمی ہوگئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق انڈونیشیا کے شورش زدہ جزیرے ملوکا میں حالات کشیدہ ہوگئے ہیں اور تازہ فسادات عیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں کے مختلف گاؤں پر حملوں کے بعد خونریز جنگ کی شکل اختیار کر گئے۔ عیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں کے گاؤں پر حملے کے بعد مسلم جانبازوں نے ملوکا کے بڑے شہر امبوں کے شمال مشرق میں ۴۰ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع عیسائیوں کے گاؤں دبائی پر حملہ کر کے ۱۸ عیسائیوں کو ہلاک کر دیا جب کہ حملے میں ۱۰ مسلمان بھی شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں سیکورٹی حکام کا کہنا ہے کہ اس حملہ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہو سکتی ہے۔ ادھر کشیدہ حالات کے پیش نظر علاقے میں کرفیو لگا دیا گیا ہے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۔ ۵ اگست ۲۰۰۰ء)

جانباز ۷ ہزار: روسی فوج نے ۱۴ ہزار شہید کر دیے

ماسکو (اے ایف پی) روسی فوج کے ڈپٹی چیف آف اسٹاف جنرل وطاری

مانیلو نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک برس کے دوران روسی فوج نے داغستان اور چیچنیا میں ۱۴ ہزار جانبازوں کو شہید کر دیا۔ مانیلو کے مطابق ساڑھے ۳ ہزار جانباز ۲ اگست ۹۹ء سے ۲ اگست ۲۰۰۰ء کے درمیان مارے گئے۔ اے ایف پی نے بتایا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد اس سے دگنا ہے جو تعداد روسی حکام چیچنیا میں متحرک جانبازوں کی بتاتے رہے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اگست ۲۰۰۰ء)

فرانس نے عراق پر عائد پابندیاں اٹھانے کا مطالبہ کر دیا

پیرس (آن لائن) فرانس نے عراق پر عائد اقتصادی پابندیوں کو ظالمانہ قرار دیتے ہوئے انہیں فوری طور پر اٹھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ فرانس کے وزیر خارجہ ہوبرٹ و ذرائن نے کہا کہ یہ پابندیاں ظالمانہ، غیر موثر اور خطرناک ہیں جس سے سینکڑوں عراقی لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ انہوں نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل پر زور دیا کہ وہ بھوک و افلاس کا شکار عراقی عوام اور عراق کی گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالا دینے کے لیے ان پابندیوں کو اٹھالے۔ واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل فرانس نے عراق پر امریکی اور برطانوی فضائی حملوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے انہیں بند کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ فرانس اور روس عراق پر اقوام متحدہ کی امریکی حمایت یافتہ اقتصادی پابندیوں کے خلاف ہیں اور ان کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ یہ پابندیاں عراق کے کویت پر حملہ کی وجہ سے امریکہ نے عائد کر رکھی ہیں جس سے اب تک سینکڑوں عراقی ہلاک ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کے عراقی امور کے انچارج آج کل عراق کے دورے پر ہیں جہاں وہ اقوام متحدہ کے آپریشن کی انسپکشن کر رہے ہیں۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۴ اگست ۲۰۰۰ء)

قاز قستان کی ایٹمی تجربہ گاہ تباہ کر دی گئی

الماتا (مانیٹرنگ ڈیسک) دنیا کے چوتھے بڑے ایٹمی ملک میں قائم دنیا کی سب سے بڑی ایٹمی تجربہ گاہ کو امریکی خواہش پر ہفتہ کے روز بین الاقوامی سائنس دانوں نے تباہ کر دیا۔ اس مقصد کے لیے ۱۰۰ ٹن دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا۔ امریکی ادارے پینٹاگون کے اہلکار نے صحافیوں کو بتایا کہ امریکہ نے سابقہ سوویت یونین کے سیمی پلاٹنسک میں واقع سب سے بڑی اور آخری ایٹمی تجربہ گاہ کو تباہ کر دیا ہے جہاں ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۸۹ء تک ۵۰۰ ایٹمی تجربات زیر زمین کیے گئے۔ امریکہ نے اس تجربہ گاہ کو تباہ کرنے کے لیے ۱۹۹۰ء میں قاز قستان کو ۷۰ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر امداد دی تھی۔ واضح رہے کہ امریکہ ساری دنیا پر یہودی تسلط کا خواہاں ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے نیو ورلڈ ارڈر کے تحت وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے ملک کے پاس ایٹمی قوت نہ ہونے کا خواہاں ہے۔

(ہفت الہلال اسلام آباد ۴ اگست ۲۰۰۰ء)

بیت المقدس میں امریکی سفارت خانہ

تل ابیب (کے پی آئی) اسرائیل کے وزیراعظم ایہود بارک نے کہا ہے کہ امریکہ نے ۲۰ جنوری کو اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے مقبوضہ بیت المقدس منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسرائیلی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے ایہود بارک نے کہا کہ امریکہ ۲۰ جنوری تک بیت المقدس میں جگہ خرید کر اپنا سفارت خانہ منتقل کرے گا۔ سفارت خانے کی یہ منتقلی اس دن عمل میں آئے گی جس دن صدر کلنٹن کی صدارت کی میعاد ختم ہوگی۔ جب تصدیق کے لیے امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان ویکٹوریہ ڈی لانگ اور وائٹ ہاؤس کے ترجمان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا لیکن امریکہ اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کرے گا اور اس کے بارے میں موجودہ سال کے آخر تک فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایہود بارک نے کہا کہ مشرق وسطیٰ امن مذاکرات کی ناکامی کے بعد سفارت خانے کی منتقلی کا فیصلہ ایک مثبت پیش رفت ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے یہ بیان سخت گیر عناصر کو خوش کرنے کے لیے دیا ہے۔ جو کیمپ ڈیوڈ مذاکرات کے دوران ایہود بارک سے بہت نالاں ہوگئے تھے۔ کلنٹن کے سفارت خانے کو منتقل کرنے کے اعلان کے بعد اسلامی جہادی تنظیموں خاص کر حماس اور حزب اللہ کے اہل کاروں نے دھمکی دی ہے کہ اگر امریکہ نے سفارت خانہ بیت المقدس منتقل کیا تو اسے ملبے کا ڈھیر بنا دیا جائے گا اور امریکی سفارت کاروں کی لاشیں امریکہ بھیج دی جائیں گی۔ کیمپ ڈیوڈ مذاکرات کی ناکامی کے بعد صدر کلنٹن نے یاسر عرفات کو فلسطینی خود مختاری کا اعلان کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن یاسر عرفات نے عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ ۳۱ ستمبر کو فلسطینی آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۳ اگست ۲۰۰۰ء)

فلپائن میں مسلم حریت پسندوں کی کاروائیاں

منیلا (آن لائن) فلپائن کے جنوبی جزیرے مندانیو میں مورد اسلامک لبریشن فرنٹ کے علیحدگی پسندوں اور سرکاری فوج کے درمیان مختلف جھڑپوں میں سولہ افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے۔ سرکاری فوج کے ترجمان کے مطابق مورد اسلامک لبریشن فرنٹ ایم آئی ایل ایف کے سو کارکنوں نے کیمپ راجموڈا کی فوجی ٹریننگ بیس پر قبضہ کرنے کے لیے اچانک حملہ کر دیا۔ سرکاری فوج نے اس حملے کو ناکام بنانے کے لیے توپ خانہ اور ہیلی کاپٹر گن شپ کا استعمال کیا۔ فریقین کے درمیان کئی گھنٹوں تک جاری رہنے والی جھڑپ کے دوران سات سرکاری فوجی اور چھ آزادی پسند ہلاک ہوگئے تاہم مسلم آزادی پسند ٹریننگ بیس پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے۔ ترجمان کے مطابق کارمن نامی قصبے میں مسلم گوریلوں اور سرکاری فوج کے درمیان ایک علیحدہ جھڑپ میں پانچ سرکاری فوجی ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۳ اگست ۲۰۰۰ء)

اسامہ بن لادن کو امریکی وارننگ

واشنگٹن (رائٹرز) امریکہ کی وزیر خارجہ میڈین البرائٹ نے کہا ہے کہ امریکہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے پابندیوں سمیت تمام اقدامات جاری رکھے گا۔ گزشتہ روز سپین کے وزیر خارجہ جوزف پک کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا "آخر کار اسامہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے زمین تنگ کر دی جائے گی اور انہیں بھاگنے یا چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ملے گی۔" انہوں نے کہا کہ امریکہ دہشت گردوں کو سرنگوں کرنے کے لیے اپنے دوستوں اور اتحادیوں کے ساتھ مل کر کوششیں جاری رکھے گا اور ایک دن آئے گا جب ہماری کوششوں کو محدود کرنے والی کوئی قوت موجود نہیں ہوگی اور ہم جس حد تک چاہیں انہیں تعاون پر آمادہ کر سکیں گے۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۵ اگست ۲۰۰۰ء)

ایرانی ایڈیٹر اور عالم دین گرفتار

تہران (اے ایف پی) ایرانی پولیس نے ایرانی ماہنامہ "ایران فردا" کے ایڈیٹر اور ممتاز عالم دین حسن یوسفی عشق دری کو ملکی سلامتی اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے الزام میں گزشتہ روز بیرون ملک سے واپسی پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ الزامات ثابت ہوگئے تو انہیں دس سال قید کے علاوہ زمرہ علماء سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ ادھر ایک اور اعتدال پسند ہفت روزہ توانا کو علماء اور سیاست دانوں کے کارٹون شائع کرنے کے الزام میں بند اور اس کے ایڈیٹر ایرج راسکر کو چارج شیٹ کر دیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور از اگست ۲۰۰۰ء)

شام میں علماء اہل سنت کی رہائی

دمشق (فارن ڈیسک) شام کے نئے صدر بشیر الاسد کے حکم پر ملک بھر کی جیلوں سے سینکڑوں قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے جن میں درجنوں سیاسی و مذہبی رہنما بھی شامل ہیں۔ الخلیج کی رپورٹ کے مطابق نئے صدر کے حکم پر ۱۸ سال سے قید اسلامی جماعتوں کے رہنماؤں اور کمیونسٹ کارکنوں کو بھی رہائی ملی ہے۔ رہا ہونے والوں میں اخوان المسلمون کے ممتاز رہنما صباح کریمی اور احیائے اسلام کے ابو عبد اللہ بھی شامل ہیں جنہیں ۱۹۸۲ء میں اہل سنت کے خلاف بڑے آپریشن کے دوران گرفتار کیا گیا تھا۔ اخبار کے مطابق اب بھی شام کی جیلوں میں سینکڑوں اہل سنت رہنما اور دینی قائدین قید ہیں۔

(ہفت روزہ الہلال اسلام آباد ۴ اگست ۲۰۰۰ء)

افغانستان میں پوست کی کاشت پر پابندی

ڈیرہ اسماعیل خان (کے پی آئی) افغانستان میں افیون (پوست) کی کاشت پر طالبان حکومت کی جانب سے لگائی گئی پابندیوں کے ضمن میں طالبان کے زیر کنٹرول صوبوں کے گورنرز کو باضابطہ طور پر سرکلر جاری کر دیے گئے ہیں جس میں اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دینے کا حکم دیا گیا۔ اس سلسلے میں طالبان کے سپریم لیڈر ملا محمد عمر کی جانب سے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں آئندہ کوئی افیون کاشت نہیں کرے گا۔ اعلامیہ میں فیصلے کو حتمی قرار دیتے ہوئے تمام افغان کاشتکاروں کو سختی سے متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ فیصلے پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں۔ ملا محمد عمر کے اعلامیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اس فیصلے کا اطلاق تمام افغانستان پر ہوگا اور فیصلے کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں گی۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ مخالفین کے علاقوں پر طالبان کے کنٹرول کے بعد وہاں بھی یہ فرمان فوری طور پر نافذ العمل ہوگا اور ان علاقوں میں افیون کاشت تلف کر دی جائے گی۔ اعلامیہ میں افغان صوبوں کے گورنروں کو اور وزارت زراعت کو افغانستان میں افیون کے متبادل کاشت کے منصوبوں پر کام شروع کرنے کا حکم بھی ملا عمر کی جانب سے دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ طالبان تحریک کے سپریم لیڈر کا یہ اعلامیہ ایک ایسے موقع پر جاری ہوا ہے جب افیون کی کاشت میں محض ایک ماہ باقی ہے۔

(روزنامہ اوصاف اسلام آباد ۶ اگست ۲۰۰۰ء)

یوسف کذاب کو سزائے موت

لاہور (اپنے نامہ نار سے) ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج میاں محمد جہانگیر نے توہین رسالت کے مقدمے میں ملوث محمد یوسف علی کو سزائے موت، ۳۵ سال قید اور دو لاکھ روپے جرمانے کی سزا کا حکم سنایا ہے۔ ملزم کے خلاف ۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء کو مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے تھانہ ملت پارک میں مقدمہ درج کرایا تھا کہ یوسف علی نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے اور اس حوالے سے وہ قابل اعتراض تقاریر کرتا ہے گزشتہ روز فاضل عدالت نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے ملزم کو دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت سزائے موت، ۲۹۵ اے کے تحت ۱۰ سال قید اور ۵۰ ہزار روپے جرمانہ، دفعہ ۲۹۸ اے کے تحت ۱ سال قید سخت اور ۱۰ ہزار روپے جرمانہ، دفعہ ۲۹۸ اے کے تحت ۳ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ دفعہ (۲) ۵۰۵ کے تحت سات سال قید اور ۳ ہزار روپے جرمانہ اور دفعہ ۴۰۶ کے تحت ۷ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانے کی سزا کا حکم سنایا ہے۔ جرمانے کی عدم ادائیگی پر ملزم کو مزید ۲۲ ماہ قید بھگتنا ہوگی۔ تمام دفعات میں دی گئی سزائیں یکے بعد دیگرے شروع ہوں گی۔ فاضل عدالت نے گزشتہ روز صبح آٹھ بج کر پانچ منٹ پر فیصلہ سنایا۔ اس وقت سیشن کورٹ کی عمارت اور عدالت کو پولیس کی بھاری نفری نے گھیر رکھا تھا۔ کسی ممکنہ گڑبڑ کے پیش نظر پولیس حکام فیصلے سے چند منٹ قبل ملزم کو

عدالت میں لائے اور فیصلے کے فوری بعد اسے واپس جیل لے گئے۔ یاد رہے کہ فاضل عدالت نے ۳ روز قبل ملزم کی ضمانت منسوخ کر دی تھی جس پر اسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہ کاروائی ڈسٹرکٹ اٹارنی کی درخواست پر عمل میں لائی گئی تھی جس میں موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ملزم ۳۱ جولائی کو ضمانت پر ہونے کی وجہ سے مقدمے کی سماعت کے لیے عدالت حاضر نہیں ہوا تھا اس لیے خطرہ ہے کہ کہیں وہ فیصلے سے قبل فرار نہ ہو جائے۔ فاضل عدالت نے اس درخواست پر فریقین کے دلائل سننے کے بعد ملزم کو جیل بھجوا دیا تھا۔ ملزم کی جانب سے محمد سلیم عبد الرحمٰن اور رخسانہ لون نے پیروی کی جبکہ مدعی کی جانب سے محمد اسماعیل قریشی نے عدالت کی معاونت کی۔ یاد رہے کہ جرم ۲۹۵ سی قانون توہین رسالت کی سزائے موت کا قانون مسٹر اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ اور ظفر علی راجہ ایڈووکیٹ کی معاونت سے فیڈرل شریعت کورٹ میں ۵ سال تک مقدمہ لڑنے کے بعد منظور ہوا جو سپریم کورٹ میں بحال رہا۔ اس پٹیشن میں سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر، سپریم کورٹ کے سابق جج زیڈ بی کیکاؤس، سابق اٹارنی جنرل شیخ غیاث محمد، جسٹس (ر) بشیر الدین اور جسٹس (ر) چودھری محمد صدیق بھی بطور درخواست گزار شامل تھے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ اگست ۲۰۰۰ء)

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور حکمران طبقہ

لاہور (ندائے ملت رپورٹ) اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر ایس ایم زمان نے کہا ہے کہ اسلام نے کسی خاص نظام حکومت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں کی۔ نظام صدارتی ہو یا پارلیمانی یا کوئی اور اسلام کو اس سے کوئی غرض نہیں تاہم اسلام کی رو سے حکومت کا سربراہ یا اس کے دوسرے ارکان سرکاری خزانے سے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے کوئی رقم حاصل نہیں کر سکتے نہ ہی کوئی حاکم سرکاری خزانے سے عیدی وغیرہ تقسیم کر سکتا ہے۔ ہفت روزہ ندائے ملت کے تازہ شمارہ میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں ڈاکٹر ایس ایم زمان نے کہا کہ حکومتوں نے اسلامی نظریہ کونسل اور اس کی سفارشات کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ ۱۹۹۶ء میں سینٹ اور قومی اسمبلی کے ارکان کو ان کی نشستوں پر اسلامی نظریہ کونسل کی بھرپور رپورٹ کی کاپیاں پہنچائی گئیں مگر تقریباً تمام ارکان نے اس رپورٹ کو اٹھانا ہی گوارا نہیں کیا اور اس کی کاپیاں اپنی نشستوں پر ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ حالت یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی ۲۰ میں سے ۱۵ نشستیں پچھلے سات ماہ سے خالی پڑی ہیں۔ حکومت کو بہت عرصہ پہلے مختلف ناموں کی سفارش بھی کر دی گئی تھی مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک یہ نشستیں پر کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ کونسل کے چیئرمین نے کہا کہ ٹیلی ویژن پر سگریٹوں کے اشتہار کے بعد سگریٹ نوشی کے مضر صحت ہونے کا اعلان کرنا منافقت اور بے بصیرتی کی انتہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزارت مذہبی امور کا اسلامی نظام کے قیام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے کوٹا سسٹم کو اسلامی اصولوں اور احکام کے منافی قرار دیا تھا مگر میاں نواز شریف حکومت نے کونسل کی سفارش کو نظر انداز کر کے کوٹہ سسٹم میں ۲۰ برس کی توسیع کر دی۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اگست ۲۰۰۰ء)

شمالی افغانستان میں طالبان کی پیش قدمی

کابل (اے ایف پی) طالبان نے گزشتہ روز افغانستان کے ایک اہم قصبہ اشکاش پر زبردست حملہ کر کے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ اس لڑائی میں اپوزیشن اتحاد کے کئی درجن فوجی جاں بحق ہوگئے۔ اپوزیشن اتحاد کے ترجمان محمد یونس قانونی کے مطابق ملیشیا نے شمالی مشرقی صوبہ تخار میں گزشتہ روز زبردست حملہ کیا اور اپوزیشن اتحاد کی فرنٹ لائن عبور کر کے قصبہ اشکاش پر قبضہ کر لیا لیکن اپوزیشن اتحاد بدستور بعض اہم اور حساس علاقوں پر قابض ہے اور طالبان کے قبضہ میں جو علاقے ہیں انہیں واگزار کرانے کے لیے جوابی حملے کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت بھی اس علاقہ میں دونوں پارٹیوں کی فوج کے درمیان شدید جنگ جاری ہے۔ پاکستان اسلامک پریس کے مطابق کمانڈر احمد شاہ مسعود کے کئی درجن حامی اس جنگ میں جاں بحق ہوگئے اور بعض کو قیدی بنا لیا گیا ہے۔

بقیہ: تعارف و تبصرہ

۱۱۱۸۲ کراچی نے شائع کیا ہے۔

نامور خطباء کے خطیبانہ شہہ پارے

جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل مولانا ابو طلحہ محمد اظہار الحسن محمود نے جناب نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ سمیت امت کے اکابر کے خطبات میں سے شہہ پاروں کا انتخاب کیا ہے اور انہیں اس مجموعہ کی صورت میں پیش کر دیا ہے، اس میں سلف صالحین کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے نامور خطباء کے مواعظ و خطبات میں سے بھی اقتباسات دیے گئے ہیں اور مصنف کی یہ محنت قابل داد ہے۔ سوا دو سو سے زائد صفحات کا یہ مجموعہ القلم پبلشرز ۲۶۵ حبیب پارک ملتان چونگی لاہور ۱۸ نے شائع کیا ہے اور اس کی قیمت ایک سو روپے ہے۔

چہل حدیث

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ العزیز نے چالیس احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیہ والسلام کا ایک جامع انتخاب کیا تھا جو عام مسلمانوں کے روز مرہ مسائل اور ضروریات کے متعلق ہے۔ اسے مبین ٹرسٹ پوسٹ بکس ۴۷۰ اسلام آباد ۴۴۰۰۰ نے شائع کیا ہے اور تقسیم کے لیے وہاں سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

تعارف کتب

عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال

بھارت کے ممتاز دانش ور جناب اسرار عالم موجودہ عالمی تناظر میں ملت اسلامیہ کو درپیش چیلنجز اور اسلام کے خلاف کام کرنے والی عالمی تحریکات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے میں جس تندہی کے ساتھ مصروف عمل ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور عنایت سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی متعدد تحقیقی و تجزیاتی کاوشیں منظر عام پر آکر اہل علم و دانش سے داد وصول کر چکی ہیں جن میں سے ساڑھے چار سو صفحات کی ایک ضخیم تصنیف مندرجہ بالا عنوان کے ساتھ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے بقول

"ماضی میں اور دور حاضر میں چلنے والی سری (خفیہ) تحریکات اور مستقبل پر پڑنے والے ان کے اثرات پر جیسی نظر اس کتاب کے مصنف کی ہے، اس کی مثال اس دور میں ملنا مشکل ہے۔ موصوف نے اس ذیل میں اسلامی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے عہد جدید میں یہودی سازش، صلیبی جنگوں کے اثرات، ہیومنزم اور ریشنلزم (عقلیت) کی شناخت اور ان کے اثرات، پھر تاریخی پس منظر، مسلم فلاسفہ اور متکلمین کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے سترھویں صدی سے بیسویں صدی تک کے حالات کا جائزہ لیا ہے، پھر انہوں نے ماڈرنز (سائنس) پر گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں سیکولر ازم کے نظریہ، اس کی تاریخ، اس کے اصل مقاصد، اصول اور عالم اسلام میں سیکولرائزیشن کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔"

ہمارے خیال میں اسلام اور مغربی فلسفہ و تہذیب کی موجودہ کشمکش کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے ہر عالم دین اور دینی کارکن کو اس کتاب کا ضروری مطالعہ کرنا چاہیے، عمدہ کتابت و طباعت اور مضبوط جلد کے ساتھ یہ کتاب

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز بی ۔ ۳۵ بیس منٹ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳ (انڈیا)

نے شائع کی ہے اور قیمت درج نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خطبات و مواعظ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی تصانیف کے ساتھ ساتھ ان کے مواعظ و خطبات بھی عام مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کی اصلاح اور دینی و روحانی تربیت کے لیے بے پناہ افادیت و تاثیر کے حامل ہیں اور امت کا ایک بڑا حصہ ان سے مسلسل استفادہ کر رہا ہے۔ ان مواعظ کو عام لوگوں کے لیے قدرے آسان زبان میں پیش کرنے کا سلسلہ حضرتؒ کی زندگی میں ہی ان کی نظر ثانی کے ساتھ شروع کیا گیا تھا۔ "تسہیل المواعظ" کے نام سے ان کا مجموعہ کئی جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اب انہی مواعظ کو الگ الگ عنوانات کے ساتھ چھوٹے کتابچوں کی صورت میں شائع کرنے کا سلسلہ "انجمن احیاء السنہ نفیر آباد، باغبان پورہ لاہور" نے شروع کیا ہے اور ان میں سے (۱) تکبر کا علاج (۲) پاکیزہ زندگی (۳) آخری عشرہ کے احکام (۴) رمضان کا خالص رکھنا (۵) حاضری کا خوف (۶) ایصال ثواب اور اس کے احکام و مسائل (۷) التہذیب (۸) نگاہ کی حفاظت اور (۹) صوم اور عید کی تکمیل کے عنوان سے خطبات اس وقت ہمارے سامنے ہیں اور انہیں عمدہ کتابت و طباعت اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ دیدہ زیب بنانے میں اچھے ذوق کا مظاہرہ کیا گیا ہے، یہ خطبات یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ جامع مسجد قدسیہ نزد چڑیا گھر لاہور سے بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اقوال سلف

بھارت کے بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد قمر الزمان الہ آبادی نے محنت شاقہ کے ساتھ اقوال سلف کے نام سے سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہزاروں اقوال کو جمع فرمایا ہے جو ان بزرگان دین کی زندگی بھر کے مطالعہ و تجربات کا نچوڑ ہیں اور اصلاح و تربیت کے لیے بے پناہ افادیت کے حامل ہیں۔ حصہ اول میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ میں سے نمایاں شخصیات سمیت تیسری صدی تک کے اہم بزرگوں کے اقوال جمع کیے گئے ہیں جو سوا تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ قاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہؓ خالق آباد نوشہرہ صوبہ سرحد نے پاکستان میں اس روحانی ذخیرہ کی اشاعت کی سعادت حاصل کی ہے اور انڈیا میں اسے مکتبہ دار المعارف ۴۰۷/۴۶۶ بخشی بازار الہ آباد سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

معرفت الہیہ مع اضافات جدیدہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھول پوریؒ کے حالات زندگی، دینی و روحانی خدمات اور افادات کو حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ نے اپنے مخصوص والہانہ انداز میں مرتب کیا ہے اور سوا چھ سو کے لگ بھگ صفحات کا یہ روحانی خزینہ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال پوسٹ بکس

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ سورۃ القلم (القرآن)

روزنامہ اوصاف اسلام آباد

ہمارے ذہن پر چھائے نہیں ہیں حرص کے سائے
جو ہم محسوس کرتے ہیں وہی تحریر کرتے ہیں

جمعرات 6 جولائی 2000ء 3 ربیع الثانی 1421ھ

سرسید احمد خان اور ولی اللّٰہی تحریک

سرسید احمد خان مرحوم کے بارے میں راجہ انور صاحب کا یہ تاثر کہ وہ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے فکری پیروکار تھے شاید اس واقعہ پر مبنی ہے کہ سرسید احمد خان مرحوم حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد تھے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی حجاز مقدس کی طرف ہجرت کے بعد ولی اللّٰہی جماعت کے علمی سربراہ سمجھے جاتے تھے' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی انہی کے شاگرد ہیں اور اس طرح علی گڑھ تحریک کے بانی سرسید احمد خان مرحوم اور دیوبندی تحریک کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دونوں آپس میں استاد بھائی تھے اور ایک ہی چشمہ علم کے فیض یافتہ تھے لیکن محض استاذی' شاگردی یا کسی درس گاہ سے تعلیم حاصل کرنا ہم خیال ہونے اور فکری پیروکار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے عقائد و افکار اور مشن اور پروگرام کی یکسانیت بھی ضروری ہوتی ہے جبکہ سرسید احمد خان مرحوم نے عقائد و نظریات اور جدوجہد کے حوالہ سے جو راستہ اختیار کیا وہ ولی اللّٰہی جماعت سے قطعی طور پر مختلف بلکہ متضاد تھا اس لئے سرسید احمد خان مرحوم کو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا فکری پیروکار قرار دینا خود ولی اللّٰہی جماعت کے عقائد و نظریات اور اہداف و مقاصد سے عدم آگاہی کی غمازی کرتا ہے۔

سرسید احمد خان مرحوم نے 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران اور اس کے بعد مسلمانوں کی راہ نمائی کے لئے جو پروگرام تجویز کیا اس کے اہم نکات یہ ہیں کہ:

☆ انگریزی اقتدار کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ نئے حکمرانوں کا ساتھ دیا جائے۔

☆ آزادی کے لئے لڑنے والے گروہوں اور مجاہدین کی مخالفت کی جائے اور انہیں فسادی اور فتنے قرار دینے میں انگریزوں کی ہمنوائی کی جائے۔

☆ اسلامی احکام و عقائد کے بارے میں مغربی دانش وروں کے اعتراضات کو مسترد کرنے کی بجائے ان کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا جائے اور اسلامی احکام و عقائد کی ایسی تشریح و تعبیر کی جائے جو مغرب کے لئے قابل قبول ہو۔

☆ مسلمان انگریزی کی تعلیم حاصل کریں اور جدید علوم سیکھ کر انگریزی حکومت کے مختلف شعبوں میں شریک ہوں اور اس کے کل پرزے بنیں۔

☆ مسلمان اپنے جداگانہ تشخص کی بنیاد پر حقوق کا تحفظ کریں۔

☆ انگریزی تہذیب اور ثقافت کو قبول کیا جائے اور اس پر فخر کیا جائے۔

جہاں تک اسلامی عقائد و احکام کی نئی تعبیر و تشریح کا تعلق ہے سرسید مرحوم اس میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ جلد ششم میں سرسید احمد خان کی کتابوں اور ان کی عبارتوں کے حوالے سے ان کے افکار و خیالات کا جو خاکہ کئی صفحات میں مرتب کر کے پیش کیا ہے وہ اس قدر ہوش ربا ہے کہ اسے پڑھنے کے لئے بھی اچھا خاصا حوصلہ درکار ہے اس میں سے صرف ایک اصولی اور بنیادی بات مثال کے طور پر پیش کر رہا ہوں کہ سرسید احمد خان کے نزدیک وحی کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام پیغام لے کر حضرت محمد ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے پاس آتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں وحی کا تعلق خارج سے نہیں بلکہ یہ جناب نبی اکرم ﷺ کی داخلی کیفیت کا نام ہے اور جبریل علیہ السلام کا بھی کوئی خارجی وجود نہیں ہے اس لئے سرسید احمد خان کے قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ یا کسی بھی پیغمبر پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی اور اس کیفیت میں ان کی زبان سے جو کلام صادر ہوتا تھا اس کیفیت کا نام جبریل اور کلام کا نام وحی ہے۔ سرسید احمد خان نے اس کیفیت کی نوعیت سمجھانے کے لئے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی پر جنون یا مرگی کے دورہ کی کیفیت ہو اور اس میں وہ نارمل کیفیت سے ہٹ کر خاص قسم کی گفتگو کرے۔ اس ساری تعبیر و تشریح میں باقی سارے لوازمات سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کریم کے "کلام الٰہی" ہونے کا عقیدہ اپنی بنیاد سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کی بجائے خود جناب نبی اکرم ﷺ کا کلام قرار پاتا ہے' یہ وہی بات ہے جو مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ پر (نعوذ باللہ) جنون کا دورہ طاری ہوتا ہے اور وہ اس کیفیت میں جو کلام کرتے ہیں اسے وحی الٰہی کے نام سے ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اس تفصیل سے تو نبوت اور قرآن کریم کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ پڑتی ہے اس لئے یہ کہنا کہ سرسید احمد خان فکری طور پر ولی اللّٰہی اکابر کے پیروکار تھے قطعی طور پر ناقابل قبول بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ سرسید احمد خان کے اس فکر اور تعبیرات کو ان کی جماعت حتیٰ کہ مولانا حالیؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ جیسے قریبی رفقاء نے بھی قبول نہیں کیا اور ان حضرات نے کھلم کھلا سرسید احمد خان کے ان خیالات و عقائد سے اختلاف کرتے ہوئے ان سے برات کا اظہار کیا' ہمارے نزدیک سرسید احمد خان کے مذکورہ پروگرام کے صرف دو حصوں کو مسلمانوں میں قبولیت حاصل ہوئی ہے ایک یہ کہ مسلمان اپنے حقوق کا تحفظ جداگانہ تشخص کی بنیاد پر کریں اور دوسری یہ کہ انگریزی تعلیم حاصل کر کے نئے نظام میں عملاً شریک ہوں ان دونوں کی بنیاد ہندو اکثریت کے غلبہ کے خوف سے مسلمانوں کے تحفظ کے جذبہ پر تھی جس میں سرسید احمد خان بلاشبہ مخلص نظر آتے ہیں اور اسی لئے اسے قبول کیا گیا جبکہ ان دو حوالوں سے خود ہم بھی سرسید احمد خان مرحوم کی خدمات' جدوجہد' قربانیوں اور ایثار کے معترف ہیں اور کسی مقام پر بھی اس کے تذکرہ و اعتراف میں حجاب محسوس نہیں کرتے لیکن ان دو امور کے علاوہ سرسید احمد خان مرحوم کے باقی ماندہ افکار و خیالات کو مسلمانوں میں سے کسی سنجیدہ طبقہ نے قبول نہیں کیا اور راقم الحروف اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ اسلامی عقائد و احکام کی نئی تعبیر و تشریح اور انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کے بارے میں سرسید احمد خان کا فکری پروگرام ان سے ایک نسل بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس مرحلہ پر ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ولی اللّٰہی جماعت کے اکابر نے انگریزی زبان اور جدید علوم کی تعلیم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ ہر دور میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے البتہ انگریزی زبان کے ساتھ

باقی اگلے صفحے پر

مولانا زاہد الراشدی

خود بخود وارد ہو جانے والی انگریزی ثقافت اور سوچ کی ضرور مخالفت کی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں دو حوالے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں ایک فتویٰ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے جو دیوبندی جماعت کے سب سے بڑے مفتی ہیں اور سرسید احمد خان کے معاصرین میں سے ہیں ان کا یہ فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ میں آج بھی موجود ہے کہ: "انگریزی زبان سیکھنا درست ہے بشرطیکہ کوئی معصیت کا مرتکب نہ ہو اور نقصان دین میں اس سے نہ آوے"۔

دوسرا فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا ہے جن کی وفات کے وقت سرسید احمد خان کی عمر صرف سات سال تھی شاہ صاحبؒ فتاویٰ عزیزی میں لکھتے ہیں کہ:

"انگریزی پڑھنا یعنی انگریزی حروف کا پہچاننا اور اس کی لغت اور اصطلاح جاننا اس میں کچھ قباحت نہیں بشرطیکہ صرف مباح ہونے کے خیال سے انگریزی حاصل کی جائے اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے موافق زید بن ثابتؓ نے یہود و نصاریٰ کی خط و کتابت کا طریقہ اور ان کی زبان سیکھی تھی اس غرض سے کہ اگر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس زبان میں کوئی خط آئے تو اس کا جواب لکھ سکیں ہاں اگر صرف ان کی خوشامد کی غرض سے اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے کے لئے یہ علم پڑھے اور اس ذریعہ سے چاہے کہ ان کے ہاں تقرب حاصل ہو تو البتہ اس میں حرمت اور کراہت ہے"۔

شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد اس امر کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ علماء کرام نے انگریزی زبان کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ انگریز پرستی کے اس رویہ کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا جس نے آج تک ہمیں ذہنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں سورۃ القلم (القرآن)

روزنامہ اوصاف اسلام آباد

ہمارے ذہن پر چھائے نہیں ہیں حرص کے سائے
جو ہم محسوس کرتے ہیں وہی تحریر کرتے ہیں

اتوار 16 جولائی 2000ء 13 ربیع الثانی 1421ھ

درسگاہ نبویؐ کا ایک طالب علم

ادارہ علوم اسلامی بھارہ کہو اسلام آباد کے منتظم مولانا فیض الرحمان عثمانی نے فون پر یہ خوش خبری سنائی کہ ان کے ادارہ کے دو طلبہ نے میٹرک کے امتحان میں اسلام آباد ثانوی تعلیمی بورڈ کے نتائج کے مطابق دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی ہے تو بے حد خوشی ہوئی مگر چونکہ دوسرے روز مجھے ایک دو ضروری اجلاسوں کے لئے اسلام آباد جانا تھا اس لئے فون پر مبارک باد دینے کی بجائے اس مقصد کیلئے خود ادارہ علوم اسلامی میں حاضری کا وعدہ کر لیا۔ مولانا فیض الرحمان عثمانی کا تعلق ہزارہ کے علاقہ بٹگرام سے ہے۔ ہمارے پرانے ساتھی ہیں مدرسہ انوار العلوم مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں پڑھتے رہے ہیں اور دینی و عصری علوم کو یکجا کرنے کی مہم کے پرانے ساتھی ہیں۔ انہوں نے پہلے اسلام آباد میں کرایہ پر بلڈنگ حاصل کر کے کام کا آغاز کیا اور پھر بھارہ کہو میں روڈ پر ایک وسیع قطعہ زمین حاصل کر کے تعمیرات کے ساتھ ساتھ تعلیمی کام کو بھی وہاں منتقل کر لیا۔ انہوں نے درس نظامی کے ساتھ سکول کے نصاب کو یکجا کر کے جو نصاب ترتیب دیا اس کے بارے میں ابتداء میں میری رائے یہ تھی کہ یہ بہت بھاری بھرکم نصاب ہے اور متوسط درجہ کی ذہانت کے طلبہ بھی شاید دونوں نصابوں کو کامیابی کے ساتھ یکجانہ پڑھ سکیں لیکن میں اس مشاہدہ کو جھٹلانے یا اس کی کوئی اور تعبیر و تاویل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں پا رہا کہ مولانا فیض الرحمان عثمانی اور ان کے رفقاء کی ٹیم نے یہ سرسوں ہتھیلی پر جما کر دکھا دی ہے۔ سکول کے نصاب میں اس ادارہ کا معیار تو اس خبر سے واضح ہے کہ اس کے دو طلبہ نے اس سال اسلام آباد بورڈ کے امتحانات میں دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی ہے اور درس نظامی کے نصاب میں ان کے معیار کا اندازہ حاضری پر ہو گیا۔

اسلام آباد حاضر ہوا تو ابوبکر صدیق اسلامک سنٹر ساؤتھ آل لندن کے منتظم الحاج محمد حنیف خان سے بھی رابطہ ہو گیا جو اسلام آباد آئے ہوئے ہیں۔ موصوف آزاد کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک عرصہ سے ساؤتھ آل لندن میں قیام پذیر ہیں اور اپنے بڑے بھائی حاجی محمد اشرف خان کے ساتھ ابوبکر اسلامک سنٹر کا نظام چلا رہے ہیں جو ہر سال لندن حاضری کے موقع پر میری قیام گاہ ہوتا ہے۔ حاجی محمد حنیف خان اسلام آباد میں مکان تعمیر کر رہے ہیں اور اس لئے آئے ہوئے تھے چنانچہ میں نے انہیں بھی ادارہ علوم اسلامی میں بلا لیا۔ ہم دونوں نے ادارہ کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا اور مولانا فیض الرحمان عثمانی اور ان کی ٹیم کے ساتھ مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ اس موقع پر راقم الحروف نے مختلف کلاسوں میں جا کر طلبہ سے صرف، نحو، اصول فقہ اور میراث کے بارے میں سوالات کئے جن میں سے بعض سوال اس کلاس کی سطح سے بالا تھے مگر طلبہ نے پورے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ جوابات دیئے حتیٰ کہ ایک طالب علم سے میں نے تاریخ ادب کا نصاب عربی کتاب کی عبارت پڑھوائی جو ہمارے ہاں خاصا مشکل مرحلہ ہوتا ہے مگر وہ طالب علم کوئی بڑی غلطی کئے بغیر فرفر عبارت پڑھ گیا جس سے اندازہ ہوا کہ ادارہ علوم اسلامی کا درس نظامی کی تعلیم کا معیار سکول کی تعلیم کے معیار سے بھی بحمد اللہ تعالیٰ بڑھ کر ہے جس پر مولانا فیض الرحمان عثمانی اور ان کے رفقاء کی ٹیم بجا طور پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

ادارہ کے منتظمین نے ہمیں روزانہ تعلیم کے آغاز پر ہونے والی اسمبلی کا منظر بھی دکھایا اور اسمبلی کی روز مرہ کی کارروائی کے بعد راقم الحروف کو طلبہ سے خطاب کرنے کی دعوت دی جس کے جواب میں راقم الحروف نے طلبہ کو درسگاہ نبویؐ کے ایک ہونہار طالب علم کا واقعہ سنایا اور وہی واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں نقل کیا ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کے نبوت و وحی سے سرفراز ہونے کے چند دن بعد کا واقعہ ہے جبکہ ابھی صرف چار پانچ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک روز جناب نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مکہ مکرمہ سے باہر کسی جگہ پر جا رہے تھے کہ بکریوں کے ایک ریوڑ کے پاس سے گزر ہوا جسے ایک بچہ چرا رہا تھا۔ دونوں بزرگوں نے بچے سے فرمائش کی کہ وہ انہیں تھوڑا سا دودھ پلا دے۔ بچے نے جواب دیا کہ دودھ والی بکریاں تو ہیں مگر مالک کی طرف سے اجازت نہیں ہے اور میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔ اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض مالک اپنے چرواہوں کو اجازت دے دیتے تھے کہ راستہ میں کوئی مسافر یا ضرورت مند ہو تو وہ اسے دودھ پلا دیں مگر بعض مالک اس کی اجازت نہیں دیتے تھے جب کہ اس بچے نے صاف کہہ دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی بکری بھی ہے جس کا ابھی دودھ نہ اترا ہو؟ اس نے کہا کہ ایسی بکری موجود ہے فرمایا کہ وہ لے آؤ۔ وہ چرواہا ایسی ایک بکری لے آیا جناب نبی اکرم ﷺ نے اس بکری کے تھنوں پر ہاتھ رکھا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اللہ تعالیٰ کے نام اور حضور ﷺ کے ہاتھوں کی برکت سے بکری کے تھنوں میں دودھ اتر آیا جو نبی اکرم ﷺ نے دوھا خود پیا اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی پلایا اور اس کے بعد وہاں سے چل دیئے۔ شام کو جب گھر پہنچے تو وہ بچہ دروازے پر تھا، پوچھا کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ بکری کے تھن پر ہاتھ رکھ کر آپ نے جو کچھ پڑھا تھا اور اس سے خشک تھنوں میں دودھ اتر آیا تھا وہ سیکھنے آیا ہوں گویا وہ بچہ "منتر" سیکھنے آیا تھا لیکن استاد کے ساتھ ایسا چمٹا کہ پورے 23 سال اس کی خدمت میں گزار دیئے حتیٰ کہ اس کا نام پڑ گیا "بچھونے والا" "لوٹے والا" "مسواک والا" "جوتوں والا" یعنی جناب نبی اکرم ﷺ کا بچھونا، لوٹا، مسواک اور جوتے اس کی تحویل میں ہوتے تھے اور وہ آپ کی خدمت میں اس قدر حاضر باش رہتا تھا کہ باہر سے آنے والے بعض صحابہ کرامؓ اسے نبی اکرم ﷺ کے خاندان کا فرد سمجھنے لگے تھے۔ یہ طالب علم جو گھر سے منتر سیکھنے آیا تھا امت کے فقہاء کا سردار کہلایا اور اس کا نام حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہے۔ اس واقعہ کے حوالے سے عزیز طلبہ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ طالب علم کے لئے جن امور کا ہونا ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ وہ امانت دار ہو۔ (2) اس میں سیکھنے کا جذبہ اور شوق موجود ہو۔ (3) استاد سے استفادہ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے اور (4) استاد کی خدمت کو اپنا شعار بنا لے۔ یہ علم کا راستہ ہے اور اس راستہ پر چلنے والے طلبہ ہی دنیا میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کیا کرتے ہیں۔

لاہور (نیوز ڈیسک) چیف ایگزیکٹو نے جن اسلامی دفعات کو پی سی او میں شامل کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ آرٹیکل 2 میں کہا گیا ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہو گا۔ آرٹیکل 2 اے کے مطابق قرارداد مقاصد آئین کا حصہ تصور ہو گی۔ آرٹیکل 31 اسلامی طرز زندگی کے بارے میں ہے۔ آرٹیکل 203 اے سے جی تک وفاقی شرعی عدالت کے قیام اس کی تشکیل اور حدود و فرائض سے متعلق ہے۔ آرٹیکل 227 میں کہا گیا ہے کہ کوئی قانون اسلام کے منافی نہیں ہو گا اور تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق اصلاح کیا جائے گا۔ آرٹیکل 228 اسلامی نظریہ کونسل کی تشکیل کے بارے میں ہے۔ آرٹیکل 228 میں کہا گیا ہے کہ اگر صدر، صوبائی گورنر یا پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کے ارکان کی چالیس فیصد اکثریت چاہے تو کسی قانون کو اسلامی نظریہ کونسل کے سپرد کر سکتی ہے تاکہ اس کی ہدایت حاصل کی جا سکے کہ مجوزہ قانون اسلام کے منافی تو نہیں۔ آرٹیکل 230 اسلامی نظریہ کونسل کی حدود کے بارے میں ہے جبکہ آرٹیکل 231 کونسل کے قواعد و ضوابط کے بارے میں ہیں۔ آرٹیکل 260(3) اے میں مسلمان کی تعریف کی گئی ہے جبکہ اسی آرٹیکل کے سیکشن بی میں غیر مسلموں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اس میں عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ، پارسی، قادیانی یا لاہوری گروپ جو خود کو احمدی کہلاتے ہیں بہائی اور دوسرے غیر مسلم شامل ہیں۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور (13) 16 جولائی 2000ء

REGD. NO. CPL 368

Fortnightly
AL-SHARIA
Gujranwala

E-mail
alsharia@
hotmail.com

Appeal for Co-operation

Al-Sharia Academy

Hashmi Colony, G.T. Road, Gujranwala, Pakistan

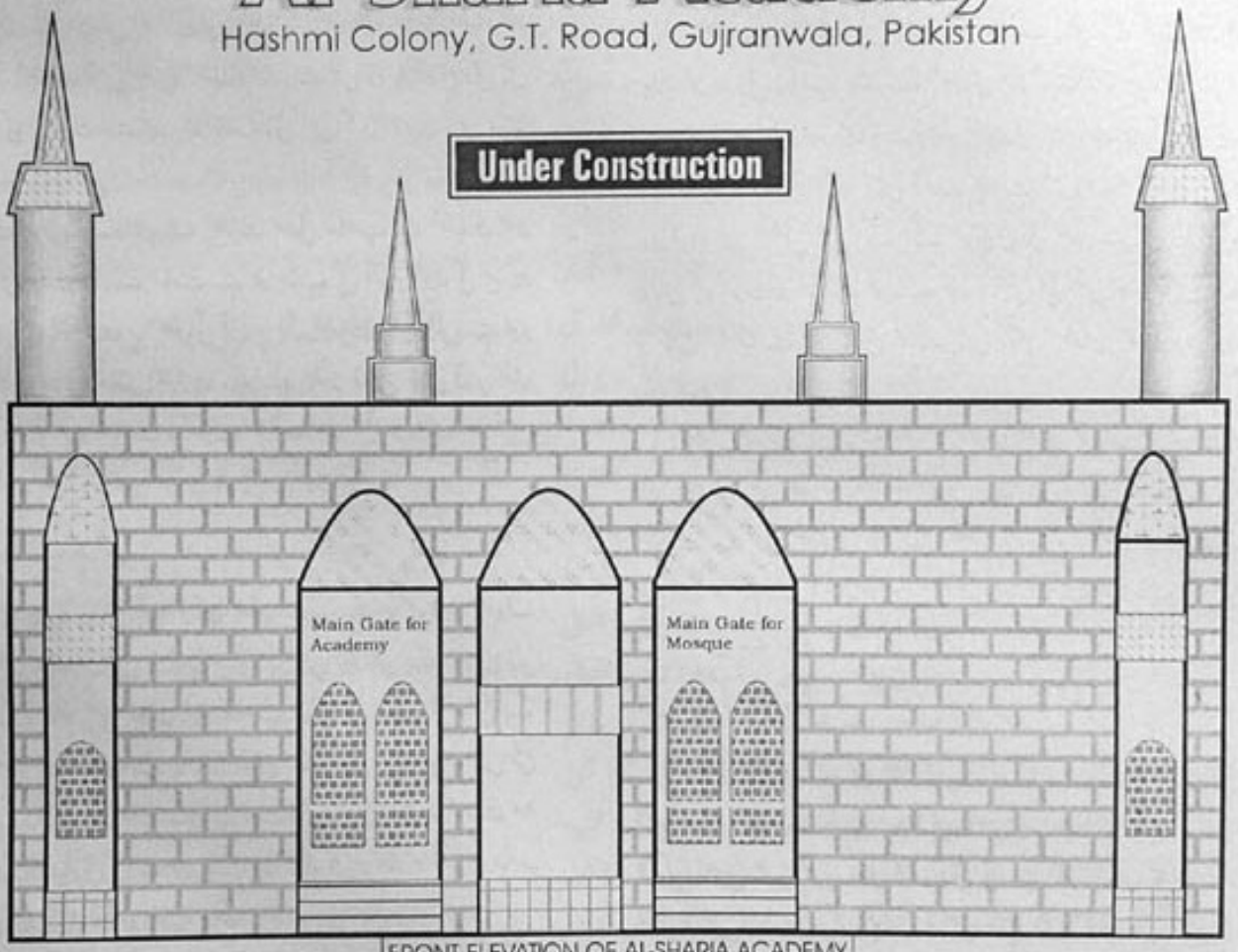

FRONT ELEVATION OF AL-SHARIA ACADEMY

Details of the Project :

Number of Stories	3
Covered Area	16,128.00 Sq ft.
Estimated Cost	10.00 Million Rupees

Features of the Project :

Khadijat-ul-Kubra Mosque, Madrasat-ul-Banat, Quran Hall, Library, Free Dispensary, Offices and Hostals.

Under the Supervision of :

ARKITEKTON ASSOCIATES
115-b/6 Muhafiz Town, Grw. Pakistan.
Tel : 92-431-283741

Under the Administration of :

Abu Ammar Zahid-ur-Rashdi
Khatib Central Mosque, Grw.
Pakistan. Tel/Fax : 92-431-219663

A/C No : "Al-Sharia" 1260, Habib Bank Ltd. Branch Bazar Thanewala, Gujranwala, (Pak)
E-mail : al-sharia@hotmail.com P.O. Box 331, Gujranwala, Pakistan.